www.kitabmart.in
میں کیوں شیعہ ہوا
مولانا سید غلام عسکری

میں کیونکر شیعہ ہوا

مُصنّفہ

علّامہ احمد امین انطاکی دام شرفہٗ

(سابق سنّی عالم و پروفیسر جامعہ، ذکریا حلب)

مُترجمہ

صدر المتکلمین الحاج جناب مولانا السیّد غلام عسکری صاحب

قبلہ واعظ مرحوم (امتاز الافاضل)

بار اوّل سنہ ۱۹۶۵ء

بار دوم سنہ ۱۹۶۷ء

بار سوم سنہ ۱۹۸۱ء

بار چہارم سنہ ۱۹۸۵ء

پبلشر

احباب پبلشرز اقبال منزل مقبرہ عالیہ گولہ گنج لکھنؤ ۱۸

قیمت

عرضِ ناشر

تعارف

شام کے شہر حلب میں انطاکیہ کے رہنے والے دو بھائی جو جلیل القدر عالم اور شافعی سنی تھے بڑے بھائی شیخ احمد امین انطاکی اور چھوٹے بھائی شیخ محمد مرعی ۔ دونوں نے شیعہ ہونے کے بعد کتابیں لکھی ہیں شیخ احمد امین انطاکی حلب کی جامعہ ذکریا جو جامع اموی بھی کہلاتی ہے کے لیکچرار و مدرس تھے اور شیخ محمد مرعی پیش نماز اور مدرس تھے ، دونوں کو اتفاقاً جناب علامہ عبدالحسین شرف الدین رح کی کتاب المراجعات پڑھنے کا موقع ملا یہی کتاب دونوں کو شیعہ بنانے کا سبب ہوئی ۔ المراجعات جس کا اردو ترجمہ "دین حق" کے نام سے مطبع اصلاح سے شائع ہوا ہے اور انگریزی ترجمہ بمبئی میں شائع ہوا ہے ۔ اس کتاب میں جناب علامہ عبدالحسین اور جامعہ قاہرہ کے شیخ سلیم سے تحریری مناظرہ درج ہے ۔ جناب شیخ احمد امین انطاکی کو حکومتِ سعودیہ نے قاضی کا عہدہ بھی پیش کیا تھا مگر آپ کو شیعہ ہونے سے پہلے بھی وہابیوں سے اختلاف تھا لہٰذا آپ نے قبول نہ کیا ۔ دونوں بھائیوں کو شیعہ ہونے کے بعد سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا معاشرہ کی مخالفت اور حکومت کے ذریعہ ایذا رسانی کا سلسلہ

جاری رہا ہے۔ جناب احمد امین انطاکی کو دو مرتبہ قتل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا گیا۔ اقتصادی بدحالی کی سزا سب سے زیادہ سخت تھی۔ لیکن آقائے بروجردی کی کفالت نے اس مشکل کو حل کر دیا۔ آپ نے سفر ایران و عراق بقصد زیارت کیا اور جناب عبدالحسین اور آقائے بروجردی و آقائے محسن حکیم مدظلہ سے ملے۔ واقعات کی تفصیل کتاب میں ملے گی مگر خدا کے فضل سے نہ صرف دونوں بھائی شیعہ ہوئے بلکہ ان کے ذریعہ شام میں شیعیت پھیلی۔ شیخ ناجی عفری اور طاہر بیگ دو اہم شخصیتیں ہیں جن کو دونوں بھائیوں نے شیعہ کیا۔ اور جن کے بعد شیعیت کی لہر دوڑ اس ملک میں آئی جو معاویہ کا ملک تھا۔ جناب ابوذر نے معاویہ کے عہد میں شام میں شیعہ تحریک کامیابی سے چلائی تھی آج پھر شام میں آوازۂ شیعیت گونج رہا ہے۔ یہ جناب ابوذر کی صدا پر لبیک ہے بلکہ ان ہی کی صدا ہے۔

ہم ہدایت یافتہ گھروں میں پیدا ہوئے۔ اس کرم الٰہی کا شکر نہیں ادا کر سکتے مگر جناب احمد امین انطاکی اور ان کے بھائی نے اپنے گھروں کو ہدایت یافتہ بنایا بلکہ قریوں اور شہروں کو شیعہ کیا کیونکہ خدا کا ان پر خصوصی فضل و کرم تھا۔ کریم اپنے کرم کو ہم سب پر ہمیشہ باقی رکھے۔

زیر نظر رسالہ دو عظیم مقدموں پر مشتمل ہے ۔ علامہ الحاج السید محمد مہدی حسینی شیرازی مدظلہ نے ایک مقدمہ تحریر فرمایا تھا جو اصل کتاب "فی طریقی الی التشیع" کے ہمراہ شائع ہوا تھا جس کا ترجمہ رسالہ الواعظ

ماہ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تھا اس مقدمہ کا ترجمہ آپ کو اس رسالے میں ملے گا۔

اس کے علاوہ ایک دوسرا پُر بصیرت، تاریخی علمی اور ثقافتی مقدمہ عالی جناب رئیس الواعظین صدر المتکلمین مولانا سید غلام عسکری صاحب قبلہ دام مجدہم (مترجم) نے سپرد قلم فرمایا ہے، جس نے اس کتاب میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اہل بصیرت پوری کتاب پھر اس جلیل مقدمہ کے پڑھنے کے بعد حقیقت سے یقیناً بہرہ در ہوں گے۔ جناب مولانا سید غلام عسکری صاحب قبلہ کی ذات گرامی اپنی شہرت وفضیلت کی بنا پر محتاج تعارف نہیں۔ موصوف جس طرح تقریر کے میدان میں اپنا جواب نہیں رکھتے اسی طرح تحریر کے میدان میں اپنا جواب نہیں رکھتے اسی تحریر کی وادی میں بھی بیش روحیثیت کے مالک ہیں آپ کی ادنیٰ سی ادنیٰ تحریر بھی معلومات سے خالی نہیں ہوتی بہت سے مشکل مفاہیم کے بند دریچے آپ کی کششِ خامہ سے باسانی وا ہوتے ہیں اس مقدمہ میں کیا جواہر پوشیدہ ہیں جوہر شناس خود بخوبی اندازہ کریں گے۔

انجمن سوئزر العلوم (ادارہ مدرسۃ الواعظین کی بکڈپو) کی طرف سے یہ تیسری خدمت آپ کے سامنے حاضر ہے "نور و نار" اور "مجرم" اس سے پہلے پیش کی جا چکی ہیں۔ خداوند عالم ادارہ کے ہر شعبہ کی ترقی میں اضافہ کرتا رہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مدرسۃ الواعظین تیزی سے اپنے شاندار ماضی

کو مستقبل میں بحال کرنے کیلئے شاہراہ ترقی پر بڑھ رہا ہے اور خدا کی توفیق، معصومین کی مدد کے بعد قوم کی حمایت کا طالب ہے۔

والسلام مع الاکرام

سید کرار حسین واعظ

۱۳؍ دسمبر ۱۹۶۵ء

عرض ناشر دوئم

ہمیں کیا پتہ تھا کہ یہ کتاب ہم چوتھی بار اس وقت طبع کریں گے جب ہمارے شیخ الحاج مولانا سید غلام عسکری صاحب مرحوم نہ ہوں گے لیکن اس کتاب کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس کی مانگ برابر آتی ہے اس لئے پھر سے طبع کر رہے ہیں۔ ناظرین کتب سے مولانا مرحوم کے لئے ایک سورہ فاتحہ کی گذارش ہے۔

خادم

سید محمد جعفر

۶؍ جون ۱۹۸۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

دکھی دنیا

زمانہ کی مادی ترقی اتنی تیز ہے کہ آنکھ والا درکنار نابینا بھی اسے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ زمین پر قدم قدم چلنے والا انسان راکٹ کے ذریعہ چاند تک پہونچ رہا ہے ساحل کے کنارے محفوظ ہو کر بھی سمندر کی موجوں سے سہم جانے والا انسان آج سمندر کے سینے کو چیر کر اپنی مرضی کے مطابق سطح اور سمندر کی تہوں میں سرگرم سفر ہے۔ کائنات کی ہر چیز پر قابو پانے کے لئے کوشاں انسان نے بہت سے سرکش نہ صرف رام کر لیے ہیں بلکہ ان کو اپنی مرضی کا پابند بناتا جا رہا ہے۔ آج ہوا۔ پانی۔ آگ۔ موسم۔ بلندی۔ پستی غرضکہ کائنات کی ہر چیز سے لڑنے اور ان کو زیر کرنے کی خواہش میں انسانی قدم بہت کچھ آگے بڑھ چکے ہیں اور بڑھ رہے ہیں مگر ترقی کا "مور" اپنے پیروں پر جب نظر ڈالتا ہے تو ضرور شرمندہ ہو کر بے حوصلہ ہونے لگتا ہے۔ ترقی کے بال و پر یقیناً بہت خوب صورت ہیں۔ لیکن انسانی زندگی یعنی ترقی کے پیر روز بروز اتنے مکروہ اور بھیانک ہوتے جا رہے ہیں کہ مسرت کے بجائے انسان

رنج۔ خوف، غم، فکر میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ ترقی پسند انسان تہذیب و
تمدن میں ترقی کے بجائے جاہلیت وحشی تمدن کی طرف واپس آ رہا
ہے۔ چلنا بڑھنے کا نام نہیں ہے۔ کولھو کا بیل کبھی چلتا ہے مگر بڑھتا نہیں
اگلے تمدن اور موجودہ تمدن کے نتائج ملائیے تو اندازہ ہو گا ہم بھی صرف
چکر بس رہے ہیں، جہاں سے چلے تھے آج بھی وہیں کھڑے ہیں۔ کل انسان
جاہل۔ جنگلی۔ ظالم۔ غیر مہذب، ناآشنائے تمدن ہو کر جو کچھ کر رہا تھا
آج ہم ترقی، تمدن۔ تہذیب علم و دانش کے نام پر وہی کچھ کر رہے ہیں
جنگلی انسان برہنہ تھا مجبوریوں کا عذر بھی اس کے پاس تھا چنانچہ
اس نے تہذیب میں قدم رکھے تو درختوں کی چھال اور
پتے اس کا لباس بن کر بے سامانی کا اعلان کر رہے تھے مگر آج کا انسان
لباس کی بہتات کے باوجود، فطری آزادی، کے نام پر برہنہ رہنے کا
مطالبہ کر رہا ہے اور تہذیب جدید اس کے مطالبہ کو خلاف تہذیب قرار دے
کر رد نہیں کر رہی ہے البتہ ننگوں کی اقلیت کو لباس پہننے والوں کی
اکثریت کے باعث برہنہ رہنے کی فی الحال کھلی چھوٹ نہیں دے رہی
لیکن خالی جزیرے فطری آزادی، کے لئے وقف کئے جا رہے ہیں۔ کون
جانے ننگوں کی اقلیت کب اکثریت میں بدل جائے اور لباس کے
حامی کب غیر آباد جزیروں میں محبوس کر دیے جائیں۔ دیکھنے کی بات
یہ ہے کہ جہالت نے ہم کو برہنہ رکھا تھا، آج کا علم و تہذیب ہم کو پھر
برہنہ کر رہی ہے انسانی ترقی نے ایک چکر پورا کر لیا ہے۔ اخلاق و

عقل کو چکر آرہے ہیں۔ جس کی بیمار داری کرنے والا کوئی نہیں اگر کچھ ہمدرد اٹھے بھی تو ان کو ہسٹیریا کا مریض قرار دیا جائے گا کل عرب کا جاہل باپ بے رزقی کے خوف سے اولاد کو قتل کر رہا تھا۔ باپ ہو کر بیٹی کا گلا دبا رہا تھا آج ہم ان واقعات کو سنکر بے چین ہوئے جاتے ہیں لیکن عصر حاضر کی عقل و علم و تہذیب نے ہم کو پھر اس جگہ لا کھڑا کیا ہے کل ہم جہاں سے چلے تھے غور کیجئے غلہ کی کمی کا فیملی پلاننگ سے علاج ہو رہا ہے اور مخالف جاہل اور دقیانوسی قرار پا رہا ہے۔ کیا ساری زمین قابل کاشت بنائی گئی ہے یا جو قابل کاشت تھیں ان پر زراعت ہو رہی ہے؟ زراعت کا ماحصل غلہ بازار میں آرہا ہے یا ذخیرہ اندوزوں کے گوداموں میں جا رہا ہے۔ کاش ماں کر رحم، میں فیملی پلاننگ کی جھاڑو سے پہلے، بے رحم، ذخیرہ اندوزوں کے گوداموں میں جھاڑو دے لی جاتی فیملی پلاننگ اقرار و اعلان ہے کہ ہم نسل کشی کر سکتے ہیں لیکن اپنی ہوس کو نہیں قتل کر سکتے۔ فیملی پلاننگ نے غذائی مسئلہ کتنا حل کیا۔ ابھی تک اس کی کوئی فرضی داستان بھی سننے میں نہیں آئی۔ البتہ کچھ گھر بے چراغ ہو گئے کیونکہ موجودہ بچوں کو موت لے گئی۔ پیدا ہونے والوں کو ہم نے معدوم کر دیا۔ اور زندگیاں ایسی راتیں بن گئیں جن کو امید سحر بھی نہیں دوسری طرف حمل کا خوف، اگر بدکاریوں کی راہ میں رکاوٹ تھا تو اب فیملی پلاننگ کے سایہ میں سہولتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مانع حمل دوائیں اور تدبیریں بھی ابھی تک ایٹمی توانائی کی طرح صرف تعمیر تو

نہیں ہو سکی ہیں البتہ تہذیب و شرافت کے کئی ہیرو شیما اور ناگاساکی تباہ کر چکی ہیں۔ آگے آگے دیکھئے......

کل کی تہذیب و تمدن سے خالی دنیا کا مذموم ترین فعل صنف نازک (عورت) کے ساتھ بدسلوکی تھا ہم نے اس معاشرہ پر اتنی سخت تنقید کی کہ عورت کے زیورات کو اس کی اسیری و کنیزی کی زندگی کی علامت قرار دیا۔ کنگن کو ہتھکڑی ہار کو طوق پازیب کو بیڑی اور کمر کی زنجیر کو لنگر بتایا۔ پچھلی زندگی کی اتنی مہیب جراحی کی کہ آج کی عورت زیور درکنار چوڑی سے بھی نفرت کر رہی ہے۔ ناک کی کیل سہاگ کی نشانی تھی مگر ہماری ریسرچ میں وہ عورت کی تذلیل کا نشان قرار پائی۔ ہم نے اعلان کیا اب عورت کو اس کا اصل اور بلند مقام و رتبہ حاصل ہو گیا۔ مگر اسے کیا کروں کہ میری آنکھ کل سے زیادہ عورت کو آج اسیر دیکھ رہی ہے لیکن جس ہتھکڑی بیڑی طوق اور شکنجہ میں اسیر ہے وہ نظر نہیں آتے کیونکہ یہ آرٹ اور کلچر کے بنے ہیں لوہے یا چاندی سونے کے نہیں ہیں۔ کل عورت جانوروں کی طرح خریدی بیچی جاتی تھی مگر آج ایسا ناکارہ مال قرار پائی ہے جس کے دیکھنے، چھونے اور ہوس بھر چکھنے والے تو بہت ہیں مگر خریدار نے اور گھر لے جانے اور رکھنے والے بہت کم ہیں۔ عزت و رتبہ دینے والے کہاں ؟ آج ہر عورت کے دل دماغ میں جب وہ ایک ناتجربہ کار نوخیز لڑکی کا دل و دماغ ہوتا ہے تہذیب و تمدن کے نام پر سینما ناول افسانے آزاد شاعری۔ ریڈیو۔ کلچرل پروگرام۔ ڈانس اشتراک تعلیم

اور ان گنت چیزوں کے ذریعہ یہ بات ذہن نشین کر دی جاتی ہے کہ کامیاب زندگی بسر کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ لڑکی عورت بننے سے پہلے ہر مرد کے لئے زیادہ سے زیادہ پرکشش بن جائے۔ بے حیا ماں باپ لڑکی لڑکوں کے ملاپ کی انجان بن کر کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ دیکھ سکیں کہ نورچشمی کو گھائل کرنے کی کتنی مہارت ہے ہوس کا کوئی اندھا اگر مل جاتا ہے تو پھولے نہیں سماتے اور یہ نہیں سوچتے کہ جس نے آج دوسروں کی طرف سے آنکھ بند کر لی ہے وہ کب تمہاری نور نظر سے آنکھ نہ پھیرے گا۔ جنسی جوش زندگی کو بہا تو سکتے ہیں مگر سفینہ حیات کے ساحل نہیں بن سکتے۔ پرکشش بننے کی اندھا دھند تبلیغ نے آج عورت کے قلب و دماغ کو مرد کی نظر کا اسیر کچھ اس طرح کیا ہے کہ مرد سوٹ پہنے جا رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کی بیوی یا بہن یا لڑکی یا ماں ہے جس کی ٹانگیں رانوں تک کھلی ہیں سردی میں سر کے محافظ بال ہیں جو تراشے جا چکے ہیں سینہ کھلا ہے۔ پیٹ بے نقاب ہے۔ جذباتی تمدن کا زہریلا پیپ ہر یاں حصہ بدن کے ذریعہ انسانی تہذیب و اخلاق کے پیکر میں جذب ہو رہا ہے جسے عقل کے کوڑھی شہ رگ میں دوڑنے والا زندہ اور تازہ خون سمجھ رہے ہیں۔ گھریلو زندگی دراز میں پڑ چکی ہیں۔ خاندان کی عمارت میں شگاف پڑ گئے ہیں۔ کل نالائق اولاد ماں باپ سے عاجز تھی آج ماں باپ اولاد کے تصور سے گھبرا رہے ہیں۔ استمداد سیکھنے کے لئے کمسن اور شیر خوار بچے

اکیلے کمروں میں مقفل پڑے محلہ والوں کی نیند خراب کر رہے ہیں۔ ماں باپ افسانوی عشق و محبت سے ذکی الحس جنسیت کی خارش کو کھجلا کر اپنے ہی کو نوچ رہے ہیں اور وقتی لذت خارش میں محو ہیں ہوش جب آتا ہے جب زندگی اپنے ہاتھوں لہولہان ہو چکی ہوتی ہے۔ اور سوسائٹی خارشی کتا قرار دے کر اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتی۔ اپنی آگ میں جلنے والے اخلاقی آتشک کے مریض سلگتی زندگی بسر کر رہے ہیں جو جل کر ختم کبھی نہیں ہوتی اور دھواں اتنا ہے کہ ایک سانس کبھی اچھی نہیں لے سکتے کرداری آتشک کے مریض ماں باپ اخلاقی سپردقِ اولاد کو جنم دے کر انسانیت کو داغدار کر رہے ہیں دور اور بہت دُور موجودہ ترقی کے آسمان سے شیطان انسان کی حالت دیکھ کر قہقہہ لگا رہا ہے گھروں کی حالت بیان ہوئی پڑوسی جھگڑا کر کے حقِ پڑوس کا حق ادا کر رہے ہیں طبقاتی جنگ درندوں سے زیادہ بھیانک انداز پر لڑی جا رہی ہے۔ فرقہ داریت کا اژدہا سب کو نگلتا چلا جا رہا ہے۔ ریاسی زمین انسانی لہو پی رہی ہے۔ بھائی بھائی کا گلا اس مسرت سے کاٹ رہا ہے جیسے کسان کھیتی کاٹتا ہے۔ اندرون ملک وہ خلفشار ہے کہ حکومتیں چند صیائی جا رہی ہیں بڑی قومیں سینکڑوں بم لیئے وقت کی تاک اور گھات میں بیٹھی ہیں جن میں کا ایک بم بھی ساری نسل انسانی کو چشم زدن میں نیست و نابود کر سکتا ہے۔ خوف کا دور دورہ ہے دہشت کا سکہ چل رہا ہے

خون چوسا جا رہا ہے۔ خون برسایا جا رہا ہے۔ دولت کے قصر میں خون کا گارا ہے۔ سیاست کی کشتی خون میں چل رہی ہے۔ وہ خون جو دل کا سرمایہ تھا انسانیت کا دل خون ہو چکا ہے۔ آدمیت سسک رہی ہے۔ اس کی پیشانی پر موت کا پسینہ ابھر رہا ہے۔ اخلاق کی نبض ڈوب رہی ہے۔ تہذیب کی آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔ شرافت کی سانس اُکھڑ چکی ہے۔ مادیت انسانیت کی قبر کھودے روحانیت کی لاش دفنانے کے لئے ہاتھ پھیلائے ہے۔ سائنسی ترقی آدمیت کی قبر پر محیرالعقول مقبرہ کی تعمیر کے انتظام میں بڑی مسرت کے ساتھ منہمک ہے۔ یہ ہے اس وقت کی دکھی دنیا کا ہلکا سا نقشہ —— آج بھی اور کل بھی مذہب ریاضی کے واضح حساب کی طرح انسان کو اس کی غلط روش اور خطا کی نشاندہی کر رہا ہے مگر مسیحا کو ملک الموت کہہ کر لوگوں کو اس سے ڈرایا اور دُور رکھا جا رہا ہے۔ حساب فہمی کی غیر مرغوب صنف کو مذہب کی بنیاد بنا کر معاشرہ انسانی کو مذہب سے بیزار بنانے کی تبلیغ زور و شور کے ساتھ جاری ہے۔ حالانکہ اگر زمانہ ذرا دم لے۔ وقت ذرا آنکھ کھولے تو انسان تباہی کے موڑ کو پہچان سکتا ہے۔ تاریخ انسانی کو حساب کے اصول جمع و تفریق میں دیکھئے۔ تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے کہاں غلطی کی ہے مثال کے لئے پہلے ایک حساب لگا یئے ایک شخص نے ایک بھشتی سے ۳ مشک پانی ۲ پیسے میں تین مشک کے حساب سے لیا اس کے بعد ۳ مشک پانی ۳ پیسے میں ۲ مشک کے

حساب سے لیا اس نے پہلے موٹا حساب جوڑا کہ ۲ پیسے میں ۳ مشک اور ۳ پیسے میں ۲ مشک یعنی ۵ پیسے میں ۵ مشک کا اوسط پڑا لہذا ۶۰ مشک کے ۶۰ پیسے دینے پر تیار ہو گیا۔ لیکن بھشتی نے الگ الگ حساب لگایا کہ ۲ پیسے میں ۳ مشک کے حساب سے ۳۰ مشک پانی کے دام ۲۰ پیسے ہوئے اور ۳ پیسے میں ۲ مشک کے حساب سے ۴۵ پیسے ہوئے ۲۰+۴۵=۶۵ پیسے ہوئے۔ دونوں کا حساب الگ الگ صحیح معلوم ہو رہا ہے مگر میزان ایک نہیں آتی جس کے معنی ہیں کسی حساب میں کوئی غلطی ہوئی بھشتی کا حساب درست تھا ۶۵ پیسے ہیں میزان صحیح تھی ۵ پیسے میں ۵ مشک کا حساب بھی درست تھا۔ لیکن غلطی یہ ہوئی کہ ۵ پیسے میں ۳ مشک ۲ پیسے میں ۲ مشک پانی شامل تھیں اور ۳ مشکیں ۳ پیسے میں ۲ مشک والی شامل تھیں۔ لہذا ۵ پیسے کو دس سے ضرب دینا درست تھا کیونکہ اس ضرب میں دونوں طرح کی مشکیں برابر شامل ہو سکتی تھیں۔ یعنی بحساب ۲ پیسے میں ۳ مشک کو ۱۰ سے ضرب دیا تو ۳۰ مشک کا حساب پورا ہو گیا اور ۳ پیسے میں ۲ مشک کو ۱۰ سے ضرب دیا تو ۲۰ مشکوں کا حساب پورا ہو گیا مگر دس مشکیں باقی رہ جاتی ہیں جن کی قیمت ۳ پیسے میں ۲ مشک کے حساب سے ۱۵ پیسے آتی ہے لیکن ہم نے ان کی ۵ پیسے میں ۵ مشک کے حساب سے قیمت ۱۰ پیسے لگائی اس غلطی نے میزان میں ۵ پیسے کا فرق کر دیا۔ اگر میزان ایک ہو جاتی تو دونوں حساب درست

ہوتے فرق نے بتلایا ایک حساب غلط ہے۔ اسی طرح انسان جاہل غیر متمدن غیر مہذب تھا تو انسان خونخوار تھا بے چین تھا۔ آج ہم نے علم پھیلایا، تمدن بنایا۔ تہذیب قائم کی تو انسان میں بے چینی نہ ہونا چاہیئے تھی۔ آج انسان ظالم اور خونخوار نہ ہوتا مگر ہم دیکھ رہے ہیں کل کا جاہل غیر متمدن۔ غیر مہذب انسان جتنا ظالم۔ خونخوار اور بے چین تھا آج کا عالم متمدن مہذب انسان کچھ کل سے زیادہ بے چین ہے۔

ظالم اور خونخواری میں اضافہ ہوگیا ہے تو ہم کو سوچنا پڑتا ہے کہ علم، تہذیب، تمدن کے باوجود ہم سے کوئی چیز چھوٹ گئی اور جب تک اس چھوٹ جانے والی چیز کو نہ معلوم کرلیں گے اسے نہ حاصل کرلیں گے تب تک ترقی کے باوجود بھی ہم پرسکون و مطمئن نہ ہوں گے — وہ چیز مذہب ہے اور صرف مذہب۔ ہم نے سائنس کے ذریعہ کائنات کی قوتیں معلوم کرلی ہیں۔ ان پر قبضہ بھی کرلیا ہے مگر ہم یہ نہ معلوم کرسکے کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیئے۔ ان قوتوں کا مصرف کیا ہونا چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہم نے دوسروں پر قابو پالیا ہے چاہے وہ سمندر ہو یا پہاڑ، فضا ہو یا زمین کی تہیں، موسم ہو یا بارش غرضکہ انسان کا قبضہ بڑھتا جارہا ہے مگر ہم نے اپنے پر قابو نہیں پایا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ سائنس کا استعمال تعمیر کے بجائے تخریب میں ہورہا ہے ہم اپنے پر کیسے قابو پائیں یہ ہماری سب سے بڑی بے بسی ہے۔ یہ کام سائنس سے نہیں ہوسکتا یہ کام صرف مذہب کا ہے۔ مذہب کا کام

لامذہبیت، کار واج انسانی معاشرہ کو سائنسی ترقی کے دور میں زیادہ تیزی سے تباہ کر رہا ہے اس دکھی دنیا کا علاج صرف مذہب ہے اور سچا مذہب۔

مریض کیسے اچھا ہو

مندرجہ بالا سطور میں دکھی دنیا کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس کے دکھ کا سبب بیان ہوا۔ صرف مرض کی شہرت سے مریض اچھا نہیں ہوتا بلکہ اسباب کے ماتحت علاج و پرہیز ذریعہ شفا بنتا ہے آج جب غیر درکنار مسلمان کی نظر میں بھی قرآن اور حدیث کی وقعت علماء مغرب کے اقوال کے سامنے کم حیثیت و کم رتبہ ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظریہ ارتقا کے بانی ڈارون کے مشہور معاصر ہکسلے کا یہ قول نقل کیا جائے "لامذہبیت کی دنیا مٹی کی گھاٹی ہے جس کو دو اندھے بچوں (مادہ اور قوت) نے بنایا ہے"۔ علامہ اختر علی تلہری "مذہبی تصورات" میں اس مقولے کے بارے میں کیا خوب لکھتے ہیں اس حکیمانہ مقولہ کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ لامذہب کی دنیا، عقل غایت اندیش کی کارفرمائیوں سے محروم ہوتی ہے۔ اس کے ہنگاموں کا کوئی ماحصل نہیں ہوتا۔ "اندھے بے شعور بچوں کی بنائی ہوئی دنیا مٹی کا گھروندا ہی تو ہو سکتی ہے۔ جسے ضابطہ ترتیب اور معنی و غایت سے کوئی تعلق نہ ہو۔"

دنیا میں جھوٹ، فریب، حق تلفی۔ قتل، ظلم، فتنہ، فساد جو کچھ ہے اس کی وجہ انسانی فطرت کا ایک خاصہ ہے "زیادہ سے زیادہ لینے کا جذبہ" یہ جذبہ فطری ہے بچے کو جو چیز دینے کے لئے ہاتھ بڑھائے گا وہ لینے کے لئے ہاتھ پھیلا دے گا کیونکہ "لینا" فطرت سکھا رہی ہے۔ بالغ، عاقل توانا اور صاحب اقتدار ہو کر انسان اسی "لینے" کے جذبہ کے ماتحت ساری دنیا صرف اپنے لئے مخصوص کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور جب اس جذبہ و خواہش کی تکمیل سچ۔ عدل حق کے ذریعہ نہیں ہوتی تو جھوٹ، سازش۔ مکر۔ قتل۔ ظلم و فساد کے ذرائع اختیار کرتا ہے قیام امن ناممکن ہے۔ جب تک لینے کا جذبہ دینے سے نہ بدل جائے۔ کسی تقریر کی تعریف تو ممکن ہے لیکن اس پر عمل ممکن نہیں۔ الفاظ کی مدح ممکن ہے معنی سے عمل کو ہم آہنگ کرنا بہت دشوار ہے۔ سچ اور عدل کی تعریف اور ظلم و فساد کی مذمت سب کر دیں گے۔ مگر عمل میں سچ کی جگہ جھوٹ اور عدل کی جگہ ظلم ہی نظر آئے گا البتہ ظلم کو عدل اور جھوٹ کو سچ ثابت کر کے ظلم کیا جائے گا۔ اور جھوٹ بولا جائے گا —— ضرورت ہے کہ فطرت کے اس راز کو ڈھونڈا جائے جو لینے کے جذبہ کو دینے کے جذبہ سے بدل دے اسے بھی بچہ سے سیکھئے مٹی کا کھلونا بچہ کے ہاتھ میں ہو آپ اس سے عمدہ کھلونا دکھا کر کہئے تم اپنا کھلونا دیدو تو میں تم کو یہ اچھا کھلونا دوں گا۔ بچہ فوراً راضی ہو جائے گا۔ معلوم ہوا بہتر پانے کی امید میں کمتر دے دینا فطرت ہے —— اگر دنیا بس یہی

دنیا ہے تو کسی عمدہ سے عمدہ نظریہ کے باوجود بھی انسان ظالم رہے گا۔ وہ کیوں دوسروں کی بھلائی کے لئے اپنے فائدے کو چھوڑ دے۔ اجتماعی مفاد کے لئے انفرادی نقصان کیوں برداشت کرے۔ یہ خیالات ہیں جن کا کوئی تسلی بخش جواب جو عمل میں تبدیلی پیدا کر سکے ممکن نہیں ہے۔ اگر زندگی اسی دنیا میں ختم ہے لیکن اگر یقین ہو جائے کہ اس دنیا کے بعد ایک دنیا اور بھی ہے اور یہاں جو کچھ ہے وہ اس دنیا کی ہر چیز کے مقابلہ میں بے حد کمتر ہے اور اس دنیا میں جس خدا نے ہم سب کو سب کچھ بے مانگے دیا ہے۔ وہ خدا وعدہ کر رہا ہے کہ یہاں کی کمتر چیزیں اگر اس کے کہنے پر اس کے بندوں کو دیدو گے تو وہ خدا آخرت میں اس سے بہتر چیزیں دے گا۔ جبکہ یہ حقیقت بھی سامنے ہے کہ کسی کو نہ دو گے تب بھی موت کے وقت اپنا سب کچھ تم کو چھوڑنا پڑے گا۔ جو دوسرا لے لیگا۔ اور تمھارا کوئی احسان بھی نہ ہوگا۔ تو انسان میں بہتر لینے کا جذبہ کمتر دنیا کو دوسروں کے مفاد میں صرف کر دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس جذبہ میں تحریک اس وقت اور قوی ہو جاتی ہے۔ جب خدا کے اوصاف سامنے آتے ہیں کہ اس کے لئے فنا نہیں جس سے یہ خطرہ مٹ جاتا ہے کہ جب ملنے کا وقت آئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا نہ ہو۔ اس کا عالم ہونا یقین دلاتا ہے کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے وہ اس کے علم میں ہے۔ اس کے عدل پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جتنا دیا ہے اس کا عوض ضرور ملے گا۔ اس کا صادق ہونا ہم سے کہتا ہے کہ جب اس نے کم از کم دس گنا دینے کا وعدہ کیا ہے

تو وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ زیادہ پانے کی امید قوی ہوتی ہے کہ اُس نے بعض اعمال پر بے حساب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ غرضکہ اوصاف الٰہی صرف عقیدہ نہیں ہیں۔ بلکہ تعمیر سیرت و کردار کا ذریعہ ہیں اور یہی عقائد امن عالم کے اصلی محرک ہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر خدا اور قیامت کا یقین پیدا ہو جائے تو ظلم، عدل سے، اضطراب، سکون سے حرص و ہوس صبر و قناعت سے بدل سکتے ہیں۔

نظریہ تجربہ کی کسوٹی پر

چاہے اصول کتنے ہی اچھے ہوں مگر بے کار ہیں جب تک ان کا نفاذ نہ ہو۔ نفاذ کے لئے ضرورت ہوتی ہے کسی نافذ کرنے والے کی چنانچہ اس حیران و پریشان دنیا کو سکون و راحت بخشنے کے لئے آج سے چودہ سو سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ہاتھوں نے اسلام کے عملی نقشہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ دنیا نے دیکھا خونخوار و درندہ صفت عرب اسلام سے قبل دولت، بدکاری ظلم اور قتل عام کا حریص تھا۔ باپ دولت بچانے کے لئے اپنے ہاتھوں بیٹی کا گلا دبا کر فخر سے گردن اٹھاتا تھا۔ ایک قبیلہ کا اونٹ دوسرے قبیلہ کے سردار کے حوض میں ایک گھونٹ پانی پی لیتا تھا تو چالیس سال تک، انسانی خون برستا رہتا تھا مگر تشفی نہ ہوتی۔ قتل پر سکون نہ تھا قاتل مقتول کا خون پیتا تھا

سینہ چاک کر کے دل جگر کچا چبا تا تھا۔ آنکھ، ناک، کان، ہاتھ پیر کاٹ کر ہار بنا کر پہنتا تھا اور خوش ہوتا تھا دیکھنے والے اس کی مدح اور تعظیم کرتے تھے لیکن یہی عرب مسلمان ہو کر انسان بن جاتا ہے۔ اسلام کا بنو اجڑے مہاجر کو مدینہ کے بسے ہوئے انصاری کا بھائی بناتے ہیں۔ تو دولت کا پجاری عرب جو دولت کیلئے بیٹی کو زندہ دفن کرتا تھا آج اتنا بدلا ہوا نظر آتا ہے کہ مالدار انصاری لٹے ہوئے مہاجر کو اپنی آدھی جائداد کی پیش کش کرتا ہے۔ سوچئے اسلام کتنا بڑا انقلاب لایا تھا۔ اسلام نے حکومت کے بجائے انسانی کردار کی تعمیر کی تھی۔ اسلام کا طریقہ کار برائی ہٹانے میں برے کو مٹانا نہ تھا بُرے کو اچھا بنا کر برائی مٹانی جارہی تھی لہذا تلوار کی ضرورت نہ تھی سیرت کی ضرورت تھی اور اسلام یوں انقلاب لا رہا تھا کہ دماغ وہی تھے مگر اندازہ فکر بدل گیا تھا۔ آنکھیں وہی تھیں۔ مگر انداز نظر بدل گیا تھا۔ زبان وہی تھی مگر گفتار بدل گئی تھی۔ قدم وہی تھے مگر رفتار بدل گئی تھی۔ دل وہی تھے مگر جذبات محبت و نفرت کے سوتے اور دھارے بدل گئے تھے ایک واقعہ اور سنیئے جس سے اندازہ ہوگا کہ اسلام میں قوم گری کی کتنی عظیم طاقت ہے۔ آدمی کو آدمی بنانا آدمی باقی رکھنا صرف مذہب کا کام ہے بزم نبوت میں ایک قبیلہ کا سردار قیمتی لباس پہنے سج دھج بیٹھا ہے۔ ایک غریب مسلمان بھی اس کے پہلو میں آکر بیٹھ جاتا ہے۔ دولتمند اپنی عبا کے دامن سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے ہادی عالم کی نظر تربیت پڑ جاتی

ہے آپ خفگی اور رنج کے ملے جلے لہجہ میں ٹوکتے ہیں تم نے عبا کا دامن
کیوں سمیٹا کیا تمہاری دولت اس کے پاس چلی جاتی یا اس کی غربت
تم میں چلی آتی۔ سردار قبیلہ مسلمان دست بستہ معافی مانگتا ہے۔ دنیا دیکھے
جن کی جھوٹی عزت پر چالیس سال عوام کا خون بہا تھا۔ آج وہ غریب
اور عام مسلمان سے بھی معافی مانگ رہا تھا۔ نبی سے معافی مانگنا آسان
تھا لیکن اسلام نے انسان کو انسان کے برابر کر دیا تھا سردار مسلمان
اپنے سردار نبی سے بھی معافی مانگ رہا تھا اور اپنے غریب بھائی سے
بھی معذرت خواہ تھا کہ مزاج جاہلیت کی بچی کھچی خو بو نے مجھ سے یہ
غلطی کرائی ہے سردار مسلمان اپنے مزاج کو اتنا جھنجھوڑنا چاہتا ہے کہ
آئندہ اس سے غلطی نہ ہو چنانچہ اپنی اس ادنی اسی غلطی کے کفارہ کے
طور پر اپنی آدھی ملکیت کا تحفہ اپنے غریب بھائی کے سامنے پیش کرتا
ہے۔ مگر وہ غربت کا مارا دولت لینے سے انکار کر رہا ہے حضور کی
سفارش بھی درمیان میں آجاتی ہے دینے والا بضد ہے کہ تحفہ
قبول کرو۔ حضور سفارش فرما رہے ہیں مگر غریب جو دولت کا حاجت
مسلسل انکار کر رہا ہے اور اپنے انکار پر معذرت خواہ ہے کہ
تحفہ رد کر کے دل نہیں دکھانا چاہتا ہوں مگر مجبور ہوں۔ آخر کار
مجبوری معلوم کی جاتی ہے اور اس کی زبان سے وہ فقرہ نکلتا ہے جو
انسانیت کا عنوان بن سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے" دولت لیتے ہوئے
ڈرتا ہوں کہیں یہ دولت مجھ میں وہ مزاج نہ پیدا کر دے جس مزاج

پر آپ نے ابھی ٹوکا ہے وہ یہ ایک عام مسلمان کے خیالات تھے نہیں صرف خیالات نہیں بلکہ عمل ہے جسے دولت بھی خرید نہیں سکتی لہذا معلوم ہوا کہ آج بھی اِس دکھی دنیا کا علاج اسلام ہے اور صرف محمدؐ کا اسلام جس نے کل درندہ عرب کو آدمی بنایا تھا آج وہ خونخوار یورپ اور امریکہ کو آدمی بنا سکتا ہے مگر کائنات کا سب سے عظیم نقصان وہ ہے کہ وہ اسلام آج ۷۳ فرقوں میں بٹا ہوا ہے اسلام دوسروں کے درد کا درماں کیسے بنے جو مسلمانوں کا درد سر بنا ہوا ہے۔ افسوس مسلمان کل کے جاہل عرب اور آج کے خونخوار یورپ اور امریکہ کی طرح درندہ صفت ہے اس پر مزید یہ کہ اسلام کی تاریخ میں ایک فرقہ کے اسلام کے لئے خونخوار درندہ صفت نظر آرہا ہے۔ لہذا آج اگر ایسی کوئی کوشش کیجاتی ہے جس سے وہ حقیقی اور اصلی اسلام معلوم ہو سکے جو عالم انسانیت کا نجات دہندہ تھا اور ہے اور اپنے نجات دہندہ ہونے کا کامیاب امتحان عرب کے عہد جاہلیت میں دے چکا ہے۔ تو ایسی کوشش تخفیف اسلحہ کی قابل قدر کوشش سے ہزار گنا زیادہ ممدوح ہے اور فلاح انسانیت کے لیئے اس زہریلے عہد میں اہل بیت کی مخالفت کی۔ حالانکہ پیغمبر دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھی بتا رہے تھے جن میں جدائی ممکن نہیں حضرت عمر مخالفت میں اپنی جماعت کے سہارے کامیاب ہوئے جو ظاہر ہے مومنین کی جماعت نہیں ہو سکتی تھی نہ صرف مخالفت میں کامیاب ہوئے بلکہ وفات پیغمبر کے بعد خلافت ساز

دیکھئے صفحہ ۲۱ کتاب

ہے تو سسکتی انسانیت کی آہیں بلند ہوتی ہیں مگر کون دل ہے جو ان آہوں کو سُنے۔ آہ انسانیت جو انسانوں کے ہاتھوں زندہ درگور ہے کاش تیرا ہمدرد جلد ظہور کرتا۔

سچے اسلام کی تحقیق

اسلام آج دو بڑے فرقوں میں بٹا ہوا ہے۔ سنی اور شیعہ دونوں فرقوں میں بھی بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں۔ شیعوں میں زیدی۔ آغا خانی۔ بوہرہ اور اثنا عشری اسی طرح سنی فرقہ کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اشعری معتزلہ۔ صوفی۔ وہابی۔ حنفی وغیرہ لیکن شیعہ سنی کے درمیان حدفاصل اور بنیادی اختلاف ایک بات کا ہے "آنحضرت کے بعد کون ؟" سنی بنوت کے بعد حکومت کے قائل ہیں شیعہ بنوت کے بعد امامت کے قائل ہیں۔ سنی حضور کے بعد ابوبکر کو خلیفہ مانتے ہیں۔ اُنکے بعد سلسلہ خلافت مدینہ سے چل کر ترکی میں ختم ہو جاتا ہے۔ شیعہ آنحضرت کے بعد حضرت علیؑ کو امام اول اور خلیفہ اول تسلیم کرتے ہیں۔ اور بارہ اماموں تک یہ سلسلہ چلتا ہے جو آج بھی ختم نہیں ہوا بلکہ بارھویں امامؑ زندہ ہیں اور قیامت آنے تک زندہ رہیں گے سنی فرقہ کا اب کوئی نقطہ مرکزی نہیں رہا مگر شیعہ فرقہ کا مرکز اب بھی قائم ہے۔ اسی ایک بات کے اردگرد دونوں فرقوں کا دین گردش کرتا ہے۔ خلافت یعنی حکومت بنوت والوہیت کو بھی اپنا جیسا جب ڈھال لیتی ہے۔ نبی اُمت جیسے ہو جاتے ہیں۔ خدا انسان جیسا سوچا جاتا ہے

اور خلافت بمعنی امامت اُمت سے امام کو بلند اور امامت سے نبوت کو بلند اور الوہیت کے سامنے نبوت کو سجدہ ریز بناتی ہے پھر اخلاقی بلندیوں کی طرف بڑھنے اور چڑھنے کا تمام اتباع مذہب قرار پاتا ہے۔ غرضکہ سنی مذہب میں بشری کمزوریوں کو ہموار کرنے کے لئے نبوت اور الوہیت کو بھی بشریت کی طرف ڈھالو بنایا جاتا ہے۔ اور شیعہ مذہب میں الوہیت کی بلندی سے نبوت کا سلسلہ قائم ہوتا ہے اور بلند نبوت سے امامت ہم رشتہ کی جاتی ہے۔ اور ماننے والوں کو انسانی کردار کی بلندیوں کی معراج پر جانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ کھلے دماغ اور جذبات سے آزاد دل کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ مگر سچے اسلام پر جو ۱۴ سو سال کی تاریخ اسلام نے ملوکیت بنام خلافت الٰہیہ کا ملبہ ڈھیر کیا ہے۔ اس ڈھیر کو ہٹانے اور سچے اسلام محمدی کو نظروں کے سامنے لانے کے لئے ضرورت ہے کہ اصلی اسلام کے آثار قدیمہ کے لئے تحقیق کی گہری کھدائی کی جائے۔ اسی کوشش کا ایک حصہ زیر نظر کتاب ہے۔ حلب کے دو ممتاز سنی علما جناب شیخ احمد امین انطاکی اور ان کے سگے بھائی شیخ محمد مرعی انطاکی آثار اسلام کی اس تحقیقی کھدائی میں کامیاب ہوئے ہیں۔ دونوں نے اپنی محنت و کاوش کا ثمرہ پایا ہے۔ لیکن بخل سے کام لینے کے بجائے انھوں نے اپنی محنت کو دو کتابوں میں لکھ کر دوسروں کے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ تاکہ ہر شخص فائدہ اٹھائے۔ بڑے بھائی جو حلب کی یونیورسٹی جامعہ ذکریا کے استاد ہیں ان کی کتاب "فی طریقی الی التشیع" کا ترجمہ پیش کیا

جارہا ہے۔

دوسرے بھائی جو عالم۔ مدرس خطیب اور پیش نماز تھے ان کی کتاب کا ترجمہ بھی ناظرین کے سامنے انشاء اللہ بوقت صحت وفرصت پیش ہوگا؎۱ علامہ احمد امین انطاکی کی کتاب میں واقعات زیادہ ہیں اور مذہبی تحقیق کی بحث کم تھی لہذا مناسب معلوم ہوا کہ سچے اسلام یعنی اثنا عشری مذہب کی حقانیت کے لئے یہاں کچھ لکھا جائے۔

شیعہ اثنا عشری یعنی سچا اسلام

مذہب شیعہ اثنا عشری جو بارہ اماموں کا عقیدہ رکھتا ہے۔ اس کی حقانیت کے لئے یہاں ۱۲ دلیلیں پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ ورنہ دلائل کی تعداد اتنی ہے کہ نہ سب لکھی جا سکتی ہیں اور نہ سب پڑھی جا سکتی ہیں اگر واقعی کوئی ناواقفیت کی نیند میں ہے تو یہ بارہ چھینٹے اسے بیدار بھی کردیں گے۔ اور اس کے قلب ودماغ میں دین حق کی زراعت کو بارآور بھی کردیں گے۔ لیکن جو جاگ رہا ہے مگر مصلحت وخودغرضی و تعصب نے اسے سوتا بننے پر آمادہ کیا ہے۔ اسے تو صور قیامت بھی

؎۱ تلاش منزل کے نام سے کتاب مولانا علی ناصر سعید عبقانی صاحب قبلہ نے ترجمہ کیا ہے وہ کتاب احباب پبلشرس سے شائع ہو چکی ہے۔

صحیح مذہب تک نہ لا سکے گا چہ جائیکہ یہ نرم و نازک کلام سچ ہے ؎

کہاں پھول کی پتی اور کہاں پتھر کا جگر

بزم تحقیق میں بارہ نورانی شمعیں روشن کی جارہی ہیں جب کہ صدر محفل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب کور۔ و روز کور آنکھوں کی خیرگی سے معذرت کے ساتھ کھلی آنکھوں کے لئے خزانہ نور پیش کیا جارہا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ۔

سمجھنے کی بات

آج اصول، عقائد، اعمال اور فروع غرض ہر چیز میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ خدا کو سب مانتے ہیں مگر خدا کے اوصاف میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ آنحضرت اور انبیاء ماسبق کو مان کر بھی مسلمان یعنی نبوت معیار نبوت۔ کردار نبوت میں اختلافات رکھتے ہیں قرآن کو بے معنی و بے ترجمہ سب مانتے ہیں۔ مگر معنی و مطلب میں ہر ایک الگ الگ اپنا ترجمہ کرتا ہے۔ اور اپنی تفسیر بیان کرتا ہے۔ نماز کو سب مانتے ہیں۔ مگر سب کی نمازوں کی شکل و طریقے جدا ہیں۔ وضو کا طریقہ بھی ایک نہیں۔ روزہ رکھنے والے بھی روزہ کھولنے میں اپنے اپنے وقت کے پابند ہیں۔ کسی کا روزہ پہلے کھلتا ہے کسی کا بعد میں۔ حج میں سب جمع ہوتے ہیں مگر احکام حج ایک نہیں۔ لہٰذا سوچنے والی بات یہ ہے کہ

تمام اختلافات کے بعد سب مسلمان اس اسلام کو نہیں مانتے ہیں جس اسلام کو حضور نے پیش کیا تھا۔ ہر فرقہ کا طرز عمل سیرت رسول کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ حضور اگر وضو میں مسح کرتے تھے تو پیر نہ دھوتے ہوں گے ہاتھ کہنی سے انگلیوں کی طرف دھوتے تھے تو اُلٹے ہاتھ نہ دھوتے ہوں گے۔ روزہ اگر اہلسنت کے وقت پر کھولتے تھے تو شیعوں کا وقت زیادہ ہے اور اگر شیعوں کا وقت آپ کے وقت کے مطابق ہے تو سنی وقت سے پہلے روزہ کھلوا ڈالتے ہیں۔ اگر آپ کی نظر میں نبی گناہ صغیرہ و کبیرہ۔ خطا۔ سہو۔ نسیان سے پاک اور بلند مرتبہ ہوتا ہے تو سنیوں کا عقیدہ بہت فاسد ہے ورنہ شیعہ نبی کو اس کی حیثیت سے زیادہ بلند مان رہے ہیں۔ اگر خدا کے لئے ظلم جائز ہے تو سنی ٹھیک کہتے ہیں اور شیعہ خدا کو ہر عیب سے بلند مان کر اپنے عقیدہ کو بے سبب اونچا کر رہے ہیں اور اگر خدا ہر عیب سے پاک ہے تو خدا پر الزام ظلم لگا کر سنی خدا پر ظلم اور اپنے لئے خطرہ مول لے رہے ہیں۔ غرض کہ اختلافات کے ہوتے ہوئے ہر فرقہ درست اور سچے اسلام پر نہیں ہو سکتا ہے۔ شیعہ سچے ہیں تو سنی مذہب باطل ہے سنی مذہب حق ہے تو شیعہ مذہب غلط دونوں کسی طرح صحیح اور سچے نہیں ہو سکتے البتہ یہ ممکن تھا کہ اختلافات کے ہاتھوں آج کے تمام فرقے غلط ہو تے سب کو کسی نہ کسی اختلاف نے اسلام محمدی سے ہٹا دیا ہوتا۔ جس کے معنی یہ ہوتے کہ آنحضرتؐ نے جو کوشش کی تھی بلکہ خدا نے آنحضرتؐ

کے ذریعہ جو کوشش کی تھی وہ ناکامیاب ہو کر ختم ہو چکی اور آج شیطان بلامقابلہ کامیاب ہے۔ لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے۔ اسلام اختلافات میں ضرور مبتلا ہوا لیکن ان اختلافات کے باوجود اصل اسلام پر کوئی نہ کوئی فرقہ باقی ہے اور سچے اسلام کے مطابق ایک فرقہ کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ خدا نے نبوت ختم کر دی۔ اب کوئی نبی سچا مذہب پیش کرنے کے لئے نہیں آنے والا ہے۔ لہذا اگر حضور کے بعد سچا اسلام بالکل مٹ جانے والا ہوتا تو خدا سلسلہ نبوت کیسے ختم کر سکتا تھا۔ خدا اسلام کو پیش آنے والے واقعات سے باخبر تھا۔ اس نے انتظام کیا کہ اصلی اسلام باقی رہے۔ اور میر کاروان ہدایت جناب ختم المرسلین کو ان واقعات کی اطلاع دی اور آپ کے ذریعہ سچے مذہب کے استحکام و بقا کا انتظام کیا۔ چنانچہ آپ نے اُمت کو خبردار کیا کہ میرے بعد تم میں فتنہ پیدا ہونگے اور فتنوں کی خبر اس کثرت سے دی کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک پورا باب ہے "کتاب الفتن" کاش اُمت آپ کی ان پیشگوئیوں سے سبق لیتی اور اپنے کو اختلافات سے بچانے کی کوشش کرتی تو آج اسلام کا یہ حال نہ ہوتا۔ آپ نے پیدا ہونے والے فتنوں کی خبر اس کثرت سے دی تھی کہ ملا علی متقی نے کنز العمال کی جلد ۶ میں بذیل کتاب الفتن ۲۷ سے ۹۲ تک حدیث ۴۲۱ سے ۱۳۹۰ تک نو سو پچاس حدیثیں جمع کی ہیں جس سے حدیث ۷۷۴ اختلافات کے پیدوار کے سبب کی تشریح کرتی ہے۔ ان لبعدی ائمتہ اطعتموھم

اکفر وکم وان عصیتموھم قتلوکم ائمۃ و رؤس الضلالۃ۔ میرے بعد کچھ امام ہوں گے ان کو مانو گے تو تم کو کافر بنادیں گے نہ مانو گے تو قتل کردیں گے۔ یہ کفر کے امام اور گمراہی کے سردار ہوں گے۔ یہ حدیث تاریخ اسلام کے خلفا پر حرف بحرف صادق آرہی ہے۔ کاش اسلام نے ان خلفا کے بجائے آئمہ اہلبیت کو اپنا امام بنایا ہوتا۔ ان فتنوں کے ساتھ حضور نے یہ خبر بھی دی تھی کہ ایک فرقہ گمراہ نہ ہوگا وہ جنتی ہوگا باقی تمام فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ ملاحظہ ہو ملل و نحل شہرستانی حصہ اول ص۵ مطبوعہ ادبیہ مصر "کہ میرے بعد میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے جو سب دوزخ میں جائیں گے صرف ایک فرقہ دوزخ سے بچے گا جو جنت میں جائیگا" ضرورت ہے کہ ہم اس فرقہ کو حضور کے ارشادات کے ذریعہ معلوم کریں۔ اسی فرقہ کو معلوم کرنے کے لئے یہاں بارہ دلیلیں لکھی جارہی ہیں۔

(۱) عہد رسالت میں کون فرقہ موجود تھا

عہد پیغمبر میں کبھی اسلام ایک نہ تھا ورنہ سورہ مومن اور سورہ منافقون دو سورے نہ نازل ہوتے۔ منافق گمراہ اور مومن حضور کے ماننے والے تھے۔ اگر آج معلوم کرنا ہے کہ شیعہ و سنی کون سا فرقہ جنتی اور بچے

تو ہم کو معلوم کرنا ہوگا کہ عہد پیغمبر میں کون سا فرقہ مومن تھا وہ حق پر ہے خصوصاً جبکہ اس فرقہ کے جنتی ہونے کے بارے میں حضور نے نے گواہی بھی دی ہو۔

تفسیر در منثور جلال الدین سیوطی جلد ۶ ص ۳۷۹ مطبوعہ میمنیہ مصر بذیل آیہ ھم خیر البریہ پارہ ۳۰ سورہ لم یکن الذین کفروا

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال کنا عند النبی فاقبل علیؑ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد اتاکم اخی ثم التفت الی الکعبۃ فضربھا بیدہ ثم قال والذی نفسی بیدہ انا وھذا وشیعتہ ھم الفائزون یوم القیامۃ۔

در جابر کہتے ہیں ہم لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت علیؑ تشریف لائے آنحضرت نے فرمایا میرا بھائی آیا پھر کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دیوار کعبہ پر ہاتھ مار کر فرمایا خدا کی قسم میں اور یہ علیؑ اور ان کے شیعہ ہی قیامت کے دن کامیاب ہونا گے۔"

کیا اس واضح حدیث کے بعد بھی کسی کو شیعہ علیؑ کے جنتی فرقہ ہونے میں شبہہ ہو سکتا ہے۔ اور اس حدیث سے زیادہ کس واضح دلیل کی ضرورت ہے کہ حضور کے زمانہ میں شیعہ موجود تھے۔ اگر نہ تھے تو جب صرف حضور اور حضرت علیؑ اور ان کے شیعہ ہی جنتی ہیں تو عہد پیغمبر میں نبیؐ اور علیؑ کے علاوہ کیا کوئی شخص جنتی نہ تھا؟ تھے اور صرف مومن تھے

جو شیعہ علیؑ تھے ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی بن ابی طالب لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق ۔

حضرت علیؑ کے لئے حضور نے فرمایا اے علیؑ تم سے صرف مومن محبت کریگا اور تمہارا دشمن صرف منافق ہوگا ۔ ترمذی صفحہ ۵۳۳، اصابہ صفحہ ۵۰۹ جلد ۲ ۔ مشکوۃ المصابیح صفحہ ۶۴ طبع لکھنؤ ۱۳۱۹ھ ۔

معلوم ہوا کہ عہد پیغمبر میں مسلمان دو طرح کے تھے مومن اور منافق اور دونوں کی تقسیم اس طرح تھی علیؑ کا دوست مومن، علیؑ کا دشمن منافق ۔ اور حضور نے علیؑ کے دوست کو شیعہ اور جنتی قرار دیا ہے ۔ بات واضح ہے مگر مزید تسکین و تشریح کے لئے یہ بھی جان لینا مناسب ہوگا کہ اہل سنت والجماعت نام کا کوئی فرقہ زمانہ پیغمبر میں نہ تھا بلکہ آپ کے عہد میں صرف دو طرح کے مسلمان تھے مومن و منافق مومن علیؑ کے شیعہ اور منافق علیؑ کے دشمن اور ان دشمنوں ہی کی وجہ سے جناب امیرؑ کو ۲۵ سال تک خلافت نہ مل سکی جب ملی بھی تو ان دشمنوں نے جمل، صفین اور نہروان میں آپ کے خلاف مسلح بغاوت کی ۔ دشمنی کا یہ سلسلہ چلتا رہا ۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ شہید ہوئے اور دشمنوں کی کثرت نے امام حسن علیہ السلام سے خلافت لے لی ۔ جب علیؑ کے دشمنوں کو خلافت علیؑ اولاد علیؑ کے خاتمہ کا یقین و اطمینان ہوا تو انھوں نے اپنی کامیابی کے سنہ کا نام سنہ

جماعت رکھا تاریخ خمیس ج ۲ ص ۳۲۵ ذیل خلافت معاویہ۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۶ حالات معاویہ مطبوعہ قیومی کانپور استیعاب ترجمہ معاویہ جلد ۱ ص ۱۶۲ حرف میم)عترت کے مقابلہ میں سنت کا نام بلند کیا گیا۔ اور اس فرقہ کے جدید نام کی تشکیل ہوئی۔ اہل سنت و جماعت سے عہد پیغمبر میں اس فرقہ کا نام اور کام کیا تھا اگر صرف یہی بات ذہن محسوس کر لیں تو حق کا واضح راستہ معلوم ہو جائے۔

(۲) گمراہی سے پاک فرقہ

حضور نے پیشین گوئی فرمائی مسلمانوں میں ۷۳ فرقہ پیدا ہوں گے اور یہ پیشین گوئی سچی نکلی کہ فرقہ پیدا ہوئے پیشین گوئی کا بقیہ حصہ (یعنی سب دوزخ میں جائیں گے ایک فرقہ جنت میں جائے گا) بھی صحیح رہے گا۔ جنت کے طالب مسلمان کا فرض ہے کہ اس فرقہ کو معلوم کر لے ظاہر ہے کہ یہ فرقہ گمراہی سے محفوظ ہوگا اور باقی تمام فرقے اسلام کا نام لینے کے بعد بھی گمراہ ہوں گے۔ وہ کون فرقہ ہے جو گمراہی سے محفوظ ہے اسے بھی نبیؐ سے معلوم کر لیجئے۔ ملاحظہ ہو۔ حدیث ثقلین جس کے راوی ۳۶۔ اصحاب پیغمبر ہیں اور جسے ۱۸۵ علماء اسلام اپنے بیان اور مصنفات میں نقل کر چکے ہیں تفصیل کے لئے عبقات الانوار (حدیث ثقلین ملاحظہ ہو) اس حدیث میں حضور نے وضاحت سے فرمایا تھا۔

"میرے بعد جو شخص قرآن مجید اور میری عترت اہل بیت سے متمسک رہے گا وہ ہرگز گمراہ نہ ہوگا" (مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۶۷ و صفحہ ۳۷۱ جلد ۵ صفحہ ۱۸۲، ۱۸۹، صواعق محرقہ الباب الحادی عشرہ صفحہ ۸۹ جلال الدین سیوطی کی تفسیر در منثور بذیل آیہ سورۃ و بذیل آیۃ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا۔ وغیرہ ملاحظہ کیجئے۔

لہذا صرف قرآن اور اہلبیت علیہم السلام کا ماننے والا فرقہ جنتی ہے۔ کیا شیعہ فرقہ کے علاوہ کوئی دوسرا اسلامی فرقہ ہے جو اپنے لئے یہ دعوی بھی کر سکے کہ ہم قرآن و اہلبیت علیہم السلام کے ماننے والے ہیں اور انکے علاوہ کسی کو نہیں مانتے۔

(۳) اسلام میں کھلی گمراہی کا آغاز

زمانہ گذشتہ کا مصلح اور زمانہ آئندہ کا ہادی جب بستر علالت پر موت کی طرف بڑھ رہا تھا تو آپ کو ہدایت کے مستقبل کو اندھیرے سے بچانے اور تابناک رکھنے کی فکر تھی۔ ہادی عالم کو اس سے بڑی کوئی دوسری فکر نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی خصوصاً جب آپ کے علم میں تھا کہ اسلام میں کثرت سے گمراہ فرقہ پیدا ہوں گے۔ یہی اسباب تھے جو علالت میں آپ کو بے کل کئے تھے اور یہی وہ فکر تھی جس نے آپ کو ہر فکر سے دامن کش بنا دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے انتقال سے ۴ دن

پہلے یعنی زندگی کی آخری جمعرات کے دن اصحاب کے سامنے فرمایا۔ "سامان کتابت لاؤ تاکہ میں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو" مگر بجائے پیغمبر کی اس خواہش کے استقبال کرنے اور خوش آمدید کہنے کے اصحاب نے مخالفت کی اور مخالفت میں سب سے آگے حضرت عمر تھے جنھوں نے حضور کے ذہن کو بیماری سے متاثر اور آپ کی خواہش تحریر ہدایت کو ہذیان قرار دیا۔ مجمع کے شور وغوغا سے تنگ آکر حضور نے سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ یہ واقعہ اتنا دردناک اور دل دوز تھا کہ جناب ابن عباس جو صحابی پیغمبر اور رشتہ دار پیغمبر ہیں، جن کی احادیث سے کتب صحاح و احادیث و تفاسیر بھری پڑی ہیں، کثرت علم کے باعث آپ کا لقب "حبر امت" تھا آپ جب کبھی بھی زندگی میں اس واقعہ کو یاد کرتے تھے تو اتنا روتے تھے کہ زمین تر ہو جاتی تھی۔ کیا کوئی دیانتدار مسلمان پیغمبر کی خواہش ہدایت کی مخالفت کی کوئی معقول وجہ بتا سکتا ہے۔ اگر یہ تحریر لکھ جاتی اور مسلمان اس پر عمل کرتے تو آج صرف ایک اسلام ہوتا۔ اختلافات نے اسلام اور مسلمان کو آج تک جتنی زحمتوں اور مصیبتوں میں ڈالا ہے اور کل قیامت تک جتنی تکلیفیں پیدا ہوں گی ان سب کے ذمہ دار حضرت عمر اور ان کے ساتھی ہیں جنھوں نے حضور کی مخالفت کی اور اتنی تند و تیز مخالفت جو حدود تہذیب و ایمان سے گزر گئی۔ یہ سوچئے مسلمان اور ترجمان وحی نبی کی بات کو ہذیان کہے اور آج بھی مسلمان کہنے والے کو نہ صرف مسلمان مانیں بلکہ اپنا آخری سردار تسلیم کریں

—— نبی کیا لکھتے اگر یہ بات معلوم نہ ہوتی تو مخالفت نہ ہوتی۔ اور مخالفت
سے پتہ چلتا ہے نبی جو کچھ لکھنے والے تھے وہ مخالفت کرنے والے کے
مفاد کے لئے نہ صرف مضر تھا بلکہ حضرت عمر کے مفاد و مستقبل کو معدوم کرنے
کا یقینی و قطعی سبب تھا ورنہ حدود ایمان سے گذری ہوئی مخالفت دعویٰ
اسلام کے ساتھ کوئی مسلمان اور وہ بھی مسلمانوں کے مجمع میں نہ کرتا۔ مگر
وقت وہ آگیا تھا کہ حضرت عمر کی خاموشی اُن کی حکومت حاصل کرنے کی
خواہش اور اس خواہش کے مفاد و مستقبل کی موت کے مرادف تھی۔ نبی
کیا لکھنے والے تھے اور آپ کے لکھنے سے پہلے حضرت عمر کو معلوم ہو گیا کہ
یہ تحریر ان کو حکومت نہ بنانے دے گی اس کے سمجھنے میں آج بھی کوئی
دقت نہیں ہے۔ حضرت نے تحریر کے لئے وضاحت کی تھی کہ یہ تحریر
وہ ہوگی جس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو گے۔ اسی فقرہ نے بتلا دیا کہ حضور
کیا لکھنے والے ہیں کیونکہ آپ برابر فرماتے رہے تھے کہ قرآن اور اہلبیت
سے وابستہ رہنے والا گمراہ نہ ہوگا۔ "گمراہ نہ ہوگا" کے فقرہ کے اتحاد
نے حضرت عمر کو قبل تحریر مفہوم تحریر بتلا دیا۔ اسی لئے آپ نے قرآن
کی حمایت اور اہل بیت کی مخالفت کی۔ حالانکہ پیغمبر دونوں کو ایک
دوسرے کا ساتھی بتا رہے تھے جن میں جُدائی ممکن نہیں۔ حضرت
عمر مخالفت میں دینی جماعت کے سہارے کامیاب ہوئے جو ظاہر ہے
مومنین کی جماعت نہیں ہوسکتی تھی۔ نہ صرف مخالفت میں کامیاب
ہوئے بلکہ وفات پیغمبر کے بعد خلافت ساز بھی ہوئے نہ صرف خلافت ساز

ہوئے بلکہ خلافت یعنی ملوکیت کے نظریہ ساز بھی ہوئے۔ اور آپ نے پورے نبوتی اسلام کو ملوکیتی اسلام کے سانچہ میں اپنے نظریات کے ذریعہ ڈھال لیا آج مسلمان اسی سانچہ سے اپنے کو نہیں نکال پاتا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں گمراہ فرقوں کی پیداوار آج بھی جاری ہے۔ اگر یہ مخالفت نہ ہوتی تو اسلام ایک ہوتا جو آل محمد کا اسلام ہوتا مگر اختلافات کے باوجود بھی آج یہ حقیقت واقعات مذکورہ بالا کی روشنی میں واضح ہے کہ گمراہی سے پاک اسلام اور جنت میں جانے والا فرقہ صرف ایک ہے شیعہ یعنی آل محمد کے مذہب کے پیرو۔

مذکورہ بالا واقعات کے لئے حسب ذیل کتابیں ملاحظہ ہوں جو اہلسنت کی معتبر ترین کتابیں ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ باب وفات النبی فصل ثالث صفحہ ۵۴۴ مطبوعہ گلزار محمدی لاہور سنہ ۱۳۱۳ھ

(۲) صحیح بخاری باب مرض النبی جلد ۳ صفحہ ۵۸ مطبوعہ میمنیہ مصر۔

(۳) مسند احمد ابن حنبل۔ باب مسند ابن عباس جلد ۱ صفحہ ۲۲۲

(۴) نسیم الریاض جلد ۴ صفحہ ۲۷۸

(۵) ملل و نحل شہرستانی جلد ۱ صفحہ ۱۹ مطبوعہ ادبیہ مصر سنہ ۱۳۱۷ھ

(۴) گمراہی سے بچنے کا واحد راستہ

حضور کی مخالفت میں حضرت عمر نے اہلبیت کی مخالفت کی تھی اور قرآن کی حمایت کی تھی جس سے آج تک یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اہلبیت کو چھوڑنے والا گمراہ نہیں ہو سکتا مگر حضور نے اپنی مشہور حدیث میں وضاحت کر دی تھی کہ اہل بیت کو چھوڑنے والا چاہے وہ کسی سے بھی اپنے کو وابستہ رکھے گمراہ اور ہلاک ہوگا۔ حضور فرماتے ہیں۔

"میرے اہل بیت کی مثال جناب نوح کی کشتی کی مثال ہے جو شخص اہلبیت کی کشتی میں آجائے گا اس کی نجات ہوگی۔ جو اسکو چھوڑے گا وہ غرق و ہلاک ہوگا" ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص ۱۱۱ باب حادی عشر ینابیع المودۃ ص ۲۰۳ باب ۵۶۔

اس حدیث کے معنی و مطالب پر معمولی غور بھی ہر مسلمان کو بعد اسلام کیطرف رہبری کرنے کے لئے کافی ہے۔ حضور نے اپنے اہلبیت کو کشتی جناب نوح سے تشبیہ دے کر اس حقیقت کو بیان فرما دیا تھا کہ جس طرح طوفان سے صرف وہی لوگ بچے جو کشتی میں تھے اور جو کشتی میں نہ تھا وہ ڈوبا اور ہلاک ہوا اسی طرح طوفان عذاب سے صرف وہی شخص بچے گا جو کشتی اہلبیت میں ہوگا اور جو بھی چھوڑ دیگا وہ ہلاک ہوگا۔ بات صاف تھی مگر علم غیب کے مالک پیغمبر کے پیش نظر وہ تاویلیں اور بحثیں

نہیں جن کو مسلمان پیش کر کے حدیث کو اس کے مفہوم سے الگ کرتے
لہذا آپ نے صاف بیان کی اس آخری حد تک وضاحت کی کہ اب یہ
کہنا تو ممکن ہو سکتا ہے چاہے وہ کتنا بڑا جھوٹ کیوں نہ ہو کہ یہ حدیث
حضور کی نہیں ہے لیکن یہ کہنا ناممکن ہے کہ اِس حدیث کے بعد سوائے
اہل بیت کے مذہب کے کوئی دوسرا مذہب نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا
ہے چنانچہ آپ نے مثال و تشبیہ کے بعد تشبیہ کے نتیجہ کی وضاحت فرمائی
کہ جو سفینہ اہلبیت میں ہوگا۔ وہ نجات پائے گا مگر بات ختم نہ کی بلکہ منفی
پہلو بھی بتلایا کہ جو چھوڑ دے وہ غرق و ہلاک ہوگا کیونکہ مثبت پہلو تک کہنا
ممکن تھا بیشک اہل بیت ذریعہ نجات ہیں مگر قرآن بھی ذریعہ نجات ہے
صرف عقیدہ نبوت و توحید بھی ذریعہ نجات ہے وغیرہ وغیرہ مگر منفی پہلو
کے بعد اب حدیث کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اہلبیت بھی ذریعہ نجات ہیں
بلکہ اس کے معنی ہیں "اہل بیت ہی ذریعہ نجات ہیں" جو اہل بیت کو
چھوڑ دے گا وہ ہلاک ہوگا، کے نقرہ میں کوئی قید نہیں ہے بلکہ ذکر
اس کا ہے جو چھوڑ دے چاہے وہ نمازی ہو، حاجی ہو، حافظ ہو قریشی
ہو غیر قریشی ہو۔ مہاجر ہوں۔ انصار ہوں۔ ازواج ہوں، مجاہد ہوں صحابی
ہوں، خلفاء و بادشاہ ہوں یا عوام اور رعیت۔ اہلبیت کو چھوڑنے والا کسی
ذریعہ نجات کو نہیں حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ جب طوفان نوح آیا تو ہدایت
کا تمام ذخیرہ یعنی خود جناب نوح۔ عام مومنین مذہب الٰہی وغیرہ سب کچھ
سفینہ کے اندر تھا اور صرف سفینہ میں آنے والے ہی کو سب چیزیں

مل سکتی تھیں جو سفینہ چھوڑے وہ صرف سفینہ نہیں چھوڑتا تھا۔ بلکہ اس سے مومنین۔ مذہب الٰہی جناب نوح غرضکہ ہدایت کی ہر چیز چھوٹ جاتی تھی۔ اسی طرح جو دامن اہل بیت علیہم السلام چھوڑے گا وہ صرف اہلبیت علیہم السلام کو نہ چھوڑے گا بلکہ اس سے نبی قرآن سچا اسلام سب کچھ چھوٹ جائے گا۔ اور جو ان کو مان لے گا اسے سب کچھ مل جائے گا۔ رحمت الٰہی منتظر ہے اب کام طالب رحمت کا ہے کہ وہ در رحمت پر آئے۔

(۵) حق و باطل کی حد فاصل!

حضور نے افتراق امت کی خبر جس حدیث میں دی تھی کہ میرے بعد میری امت میں ۷۳ فرقہ ہوں گے جن میں ایک جنت میں جائے گا اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے اس حدیث کا حوالہ نقل کیا جا چکا ہے اس حدیث میں قابل غور بات یہ ہے کہ آپ نے "امت" کے گمراہ فرقوں کو دوزخی بتایا ہے اگر ہم معنی امت معلوم کرلیں تو حدیث کا مفہوم واضح ہو جائے۔ بات آسان ہے۔ مثالوں سے معلوم کریجئے جو شخص خدا کا منکر ہے اسے کوئی مسلمان امت پیغمبر میں شامل نہیں مانے گا۔ دوسرا شخص جو خدا کا اقرار مگر حضور کی نبوت کا منکر ہو وہ بھی امت سے خارج ہے۔ خدا اور رسولؐ کو ماننے والا اگر قرآن

کو کتاب الٰہی نہ ماننے والا امت سے باہر ہے خلاصہ رسول و قرآن کو ماننے مگر کعبہ کو قبلہ نہ ماننے والا بھی اُمت میں شمار نہیں ہوتا۔ خدا اور رسولؐ و قرآن و قبلہ کو مان کر اگر کوئی نماز یا روزہ یا حج کو مثلاً مہمل اور لغو کہتا ہے تو وہ بھی خارجی ہے کیونکہ کسی حکم خدا اور رسولؐ کو مہمل و لغو کہنے والا حکم دینے والے خدا اور حکم لانے والے رسول پر معاذ اللہ مہمل و لغو ہونے کا الزام لگاتا ہے ان مثالوں کی روشنی میں معلوم کیجئے کہ امت کے معنی کیا ہوئے تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ جو شخص خدا اور رسول و قرآن و قبلہ و نماز روزہ و حج وغیرہ کا ماننے والا ہوگا وہ اُمت میں شامل اور شمار ہوگا اور حضور نے امت کے ۷۲ فرقوں کو گمراہ و دوزخی قرار دیا ہے یعنی ۷۲ فرقہ خدا۔ رسول۔ قرآن۔ قبلہ۔ نماز۔ روزہ حج وغیرہ کو مانیں گے مگر پھر بھی دوزخ میں جائیں گے۔ اور ایک فرقہ ان باتوں کو مانے گا۔ مگر جنت میں جائے گا۔ دونوں باتیں سامنے رکھنے کے بعد ہر شخص اس بات کو تسلیم کرلے گا کہ ان عام باتوں کے ماسوا کوئی ایسا عقیدہ و مسئلہ اسلام میں ہے کہ اگر اسے نہ مانا جائے تو سب کچھ ماننے کے بعد بھی دوزخ ٹھکانہ ہے اور اگر وہ بات بھی مان لی جائے۔ تو جنت ملتی ہے۔ ماحصل کلام یہ ہے کہ اسلام کے اس عقیدہ کو معلوم کرنا ہمارا فرض ہے۔ جسکی صفت و حالت یہ ہے کہ مسلمان سب کو مانے مگر اس کو نہ مانے تو گویا اس نے کچھ نہیں مانا اور اگر اسے مان لے تو جو کچھ مانا ہے سب کا ماننا کارآمد اور نتیجہ خیز ہو جائے۔ وہ عقیدہ کیا ہے

اسے قرآن کی لائین میں معلوم کریں۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللّٰہ یعصمک من الناس۔ اے رسول اس پیغام کو پہونچا دو جو پیغام تم کو تمھارا رب دے چکا ہے (اگرچہ تم رسالت کے فرائض بہت کچھ انجام دے چکے ہو مگر اس کے باوجود اگر تم نے یہ پیغام نہ پہونچایا تو گویا رسالت کے فرائض ادا ہی نہیں کئے (اس پیغام کے پہونچانے میں) اگرچہ تمھاری جان کا خوف ہے مگر بے خوف ہوکر پیغام پہونچاؤ) خدا دشمنوں سے تم کو محفوظ رکھے گا۔

معلوم ہوا اس آیت میں اس حکم کا ذکر ہے کہ اگر حضور یہ حکم امت تک نہ پہونچاتے تو جتنے حکم پہونچا چکے تھے سب بیکار تھا اور اگر یہ حکم پہونچا دیا تو جتنے حکم پہونچائیں سب کا پہونچانا کارآمد ہو جائے لہذا یہی حکم وہ ہے کہ اگر مسلمان اسے نہ مانے تو سب کا ماننا بے کار ہے اور اگر اسے مان لے تو سب کا ماننا کارآمد ہو جائے مذہب جو جنت تک لے جائیگا اس کے معلوم ہونے میں صرف اتنا معلوم کرنا باقی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور نے کون سا حکم پہونچایا۔ شیعہ کتابیں متفق ہیں کہ حضور نے سنہ ۱۰ھ کی ۱۸ ذی الحجہ کو غدیر خم کے مقام پر اس آیت کے اترنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا پیغام پہونچایا۔ حضرت کی خلافت بلافصل وہ مسئلہ ہے کہ اگر صحیح ثابت ہو جائے تو فرقہ شیعہ کا حق ہونا اور سنی مذہب کا باطل ہونا طے ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جناب امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل، سنی مذہب کی شہ رگ

حیات کو قطع کرتی ہے۔ لہذا جس مسئلہ سے سنی مذہب اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔ اس مسئلہ کا ثبوت اگر علماء اہلسنت کی معتبر مقبول کتابوں میں مل جائے تو پھر انکار کا محل عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ تو ناممکن ہے۔ کیونکہ اگر شیعوں نے غدیر خم کی روایت مصنوعی اور جعلی بنائی ہوتی تو سنی کتاب میں اس کا ذکر نہ ہوتا۔ اس کے برخلاف یہ روایت واقعہ اور حقیقت ہے لہذا سنی کتابوں سے کھر چنے کے بعد سنی کتابوں میں پایا جانا اس کی حقانیت کا عظیم ثبوت ہے، ملاحظہ ہو۔

"غدیر خم میں آیہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ نازل ہوئی اور حضور نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر کہا جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کے مولا ہیں۔"

اسباب النزول واحدی ص ۱۵۰ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۵۸۴ مطبوعہ اسلامبول، تفسیر درمنثور جلال الدین سیوطی ج ۲ ص ۲۹۸ مطبوعہ میمنیہ مصر۔

معلوم ہوا جو فرقہ حضرت علیؑ کو خلیفہ بلا فصل نہیں مانتا ہے۔ وہ سب کچھ مان کر گویا کچھ نہیں مانتا لہذا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور یہی امت پیغمبر کے وہ فرقے ہیں جن کی خبر حضور نے دی ہے۔ اور جو حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل مانتا ہے وہی جنتی ہے اور یہی سب کچھ ماننے والا ہے شیعہ اور صرف شیعہ وہ فرقہ ہے جو خلافت بلا فصل حضرت امیر علیہ السلام کا ماننے والا ہے۔

(۶) کامل دین کون ہے!

حضورؐ کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کے فرقوں میں ایک فرقہ جنت میں جائے گا باقی دوزخ میں یعنی ایک فرقہ کے اسلام کو خدا قبول کرے گا اور اس پر نعمتوں کی بارش ہوگی۔ اور اس کا دین کامل ہوگا۔ باقی دوزخ میں جانے والے تمام اسلامی فرقوں کا دین ناقص ہوگا۔ خدا ان کے اسلام کو قبول نہ کریگا اور ان کو اسلام کے باوجود نعمتیں نہ حاصل ہونگی قرآن کی ایک آیت پتہ دیتی ہے کہ اسلام کی تاریخ میں ایک دن کوئی اہم حکم نازل ہوا تھا جس حکم کے بعد خدا نے دین کو کامل قرار دیا تھا۔ اور اس حکم کے ماننے والے کے اسلام کو قبول کیا تھا۔ اور اس حکم کے ماننے والے پر خدا نے اپنی نعمتیں تمام کردی تھیں۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

"مسلمانو! آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین کامل کردیا اور آج تم پر اپنی نعمتیں تمام کردیں۔ اور آج اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے میں نے پسند و قبول کیا۔"

اگر معلوم ہو جائے کہ یہ کس دن کا واقعہ ہے اور اس دن کون حکم نازل ہوا جس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی تو کامل دین۔ مقبول اسلام

اور نعمتوں کا راستہ مل جائے جس کی آخری منزل جنت ہے۔

کتب شیعہ و سنی دونوں نے لکھا ہے کہ:۔

"غدیر خم میں جب حضور نے حضرت علیؑ کے لئے فرمایا جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں تو یہ آیت اتری۔۔۔۔

الیوم اکملت الخ

حضرات اہل سنت و الجماعت کے معتبر موثق، عظیم ترین اور قدیم مورخ یعقوبی کی تاریخ ابن واضح جلد ۲ صـ ۳۲۳ ذیل ما نزل من القرآن بالمدینۃ ملاحظہ ہو۔

پس ثابت ہوا کہ جو مسلمان حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بلا فصل (جس کا اعلان غدیر میں پیغمبر نے فرمایا تھا) کو مانے گا اس مسلمان کا دین کامل اسلام مقبول ہوگا اور اس پر نعمتوں کی بارش ہوگی۔

(۷) حکومت علی کا حق ہے!

واقعہ غدیر کے متعلق لکھا جا چکا کہ آیہ بلغ کے نزول پر حضرت نے جناب امیر کیلئے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" فرمایا اور اس فرمان کے بعد آیہ اکملت اتری۔ لہذا ضرورت ہے کہ ذہن "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کے معنی کے بارے میں صاف رہیں کیونکہ لفظ مولی کے بہت سے معنی ہیں اور ہر معنی کا مراد لیا جانا ممکن ہے شیعہ کہتے ہیں کہ

جس طرح نبی روحانی پیشوا ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی مسلمانوں کے حاکم اور سربراہ تھے اس طرح آپ کے بعد علی مسلمانوں کے روحانی پیشوا اور حاکم ہیں اور بمقام غدیر میں حضور نے حضرت علیؑ کے اسی حق حکومت کا اعلان فرمایا تھا۔ اگر شیعوں کی یہ بات سچی ہو تو خلافت ابوبکر و عمر وغیرہ باطل ہے اور ان خلافتوں کا ماننے والا سنی مذہب بھی باطل ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ لفظ مولیٰ کے معنی معلوم ہوں۔ تمام کتابیں متفق ہیں کہ حضور نے غدیر میں مولیٰ کے لفظ کے استعمال سے پہلے مسلمانوں سے پوچھا تھا کہ۔

"مومنین کی جان اور زندگیوں پر مومنین کا حق ہے یا میرا؟ اور مسلمانوں نے بلا اختلاف کہا تھا۔ ہماری جان پر آپ کا حق ہے نہ کہ ہمارا اس سوال اور اقرار کے بعد آپ نے فرمایا تھا جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں" مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۸۱ صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص ۲۵ باب ۱ مطبوعہ میمنہ مصر۔

معلوم ہوا آنحضرت نے مولیٰ کے لفظ کے معنی پہلے بتلائے اور لفظ مولیٰ اس کے بعد استعمال کیا یعنی جسے مومنین کی جان پر مومنین سے زیادہ حق ہو وہ مولیٰ ہوتا ہے اور اسی معنی سے نبیؐ اور علیؑ مولیٰ ہیں ــــ جان اور زندگی پر زندگی والے سے زیادہ کون حق رکھتا ہے اسے اس قانون کی روشنی میں معلوم کیجیئے جسے ہمیشہ سے تمام اقوام عالم کی حکومتوں نے تسلیم کیا ہے اور جسے ہر مذہب کے ضابطہ اخلاق کی تائید حاصل ہے۔ یعنی خودکشی

کرنے کی اجازت نہ کسی مذہب نے دی ہے نہ کسی قانون نے نہ کسی ضابطہ اخلاق نے۔ بلکہ خودکشی کرنے والے کو اقوام عالم مجرم قرار دیتی ہیں اور حکومتیں خودکشی کرنے والے کو سزا دیتی ہیں۔ اگر زندگی اس کی ملکیت ہوتی جس کی زندگی ہے تو اسے اپنی زندگی دینے کا حق ہوتا ہے جس طرح ہم اپنی ہر ملکیت کے بارے میں خود مختار ہیں۔ اس کے برخلاف حکومت کا خودکشی کرنے میں مداخلت کرنا اور سزا دینا بتاتا ہے کہ زندگی ہماری ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ حکومت کی ملکیت ہے اور خودکشی کرنے والا قومی اور سرکاری ملکیت کا تباہ کرنے والا قرار پاتا ہے لہٰذا مستوجب سزا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ جان اور زندگی کی مالک صرف حکومت ہوتی ہے۔ تو رسول کے سوال کا مطلب یہی تھا کہ تم مجھے مومنین کا حاکم مانتے ہو یا نہیں۔ مسلمانوں نے اقرار کیا آپ ہمارے حاکم ہیں اقرار کے بعد رسولؐ کے ارشاد کا مطلب واضح ہے کہ۔

"جس طرح میں مومنین کا حاکم ہوں اسی طرح علیؑ بھی مومنین کے حاکم ہیں۔"

لہٰذا مومنین کی جماعت میں صرف وہی شامل ہوگا جو نبی کو اور نبی کے بعد علیؑ کو حاکم تسلیم کرے گا اب اگر کوئی دوسرا حاکم بنتا ہے یا ہم اس کی حکومت کی حمایت کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں تو ہم سب ناحق اور باطل پر ہیں۔ حق پر صرف وہی ہے جو علیؑ کو بعد نبی بلا فصل حاکم تسلیم کرتا ہے۔

(۸) واضح حق

اگر غدیر میں لفظ مولیٰ کے معنی حاکم کے علاوہ کچھ اور ہوتے تو حضرت علیؑ کو کوئی منصب یا عہدہ نہ ملا ہوتا اور اگر منصب اور عہدہ نہ ملتا تو حضرت عمر حضور کے اعلان من کنت مولاہ الخ کے بعد خصوصی مبارک باد نہ دیتے اور تمام اصحاب حتیٰ کہ ازواج پیغمبر آپ کو مبارک باد نہ دیتیں حالانکہ حضور کے اعلان کے بعد۔

"حضرت عمر نے حضرت علی کو مبارکباد دی کہ آج تم ہر مومن و مومنہ کے مولیٰ (حاکم) ہو گئے اور یہی مبارکباد اصحاب اور ازواج نے بھی دی"

ملاحظہ ہو مسند احمد ابن حنبل جلد ۴ صـ ۲۸۱

(۹) مخالفتِ علیؑ کی حد!

واقعہ غدیر سچا تھا اور حضرت علیؑ کا حکومت واقعہ تھا، مگر سچی بات کے جھٹلانے والے اور وفات پیغمبر کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ سے حکومت و خلافت شروع کرنے والوں کے مخالف طرز عمل کو واقعہ غدیر کو غلط ثابت کرنے کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ کہ اگر حضور نے علی کی خلافت بنائی

ہوتی تو مسلمان کیوں نہ مانتے اور مسلمانوں نے نہیں مانا لہٰذا حضور نے خلافتِ علی کا حکم ہی نہیں دیا تھا۔ صرف ایک فریب ہے جس میں مسلمانوں کے ذہنوں کو مبتلا کر کے ان کو حق سے ہٹایا جا رہا ہے۔ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ جن لوگوں نے حضور کے حکم خلافت علیؑ کو نہیں مانا ان کو نہ مانا جاتا اور کہا جاتا کہ انھوں نے حکم رسولؐ نہیں مانا لہٰذا یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو مانا جائے لیکن اس کے برخلاف صورت حال یہ ہے کہ ان مخالفین حکم رسول کو بہر صورت مان لیا گیا ہے لہٰذا کہا جاتا ہے کہ انھوں نے خلافت علیؑ کو نہیں مانا کیونکہ رسولؐ نے حکم ہی نہیں دیا تھا۔ اور اس جھوٹ کو سچ کے مقابلے میں پیش کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ رسول حکم دیں اور مسلمان خصوصاً اصحاب کبار حکم رسول نہ مانیں" لیکن آیہ بلّغ جس کے نازل ہونے پر حضور نے خلافت علیؑ کا حکم مسلمانوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس آیت کا ایک فقرہ آج بھی اس بات کا گواہ اور ضامن ہے کہ مسلمان اور یہ اصحاب کبار حضور کے غدیری حکم کو ماننے والے نہ تھے۔ کیونکہ آیت کا آخری فقرہ ہے۔ واللہ یعصمک من الناس (رسول حکم (خلافت علیؑ) پہونچا دو دشمنوں سے ہم تمھاری حفاظت کریں گے) یہ حکم صرف مسلمانوں کے سامنے پیش ہوا تھا اور مسلمانوں سے متعلق تھا مگر اس حکم کے پہونچانے میں رسول کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اور اتنا سخت خطرہ کہ خدا وعدہ حفاظت کر رہا تھا۔ معلوم ہوا اگر مسلمان یہ حکم ماننے والے ہوتے تو حکم پہونچانے

والے رسولؐ کے لئے حکم پہونچانے میں خطرہ نہ ہوتا خطرہ نہ ہوتا تو خدا حفاظت کا انتظام نہ کرتا۔ بلکہ خطرہ تھا اور صرف مسلمانوں سے خطرہ تھا کیونکہ خلافت علیؑ کے مخالف غیر کیوں ہوتے انھیں اس مسئلہ سے کیا سروکار تھا البتہ بعد نبی حکومت کرنے کے خواہشمند مسلمان مسئلہ خلافت علیؑ کے مخالف تھے نہ صرف مخالف بلکہ دشمن نہ صرف علی اور انکے حق خلافت کے دشمن بلکہ اگر رسول حکم خلافت علیؑ بحکم خدا بھی پہونچائیں تو یہ مخالف اور دشمن نبی کی جان کے دشمن ہو جائیں اور اگر خدا حفاظت نہ کرے تو حضور کو قتل کر دیں۔ ان حالات کا تقاضا یہی تھا کہ نبی علیؑ کو انکا حق حکومت و خلافت نہ ملے اور نہیں ملا۔ لوگ کہتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ رسول کہیں اور مسلمان و صحابہ کبار، نہ مانیں۔ میں پوچھتا ہوں یہ کیسے ممکن ہے مسلمان اور صحابہ کبار رسول کے دشمن ہو جائیں۔ مگر یہ ممکن نہیں بلکہ واقعہ تھا جس کا گواہ قرآن ہے۔ تو حضور کے بعد جناب امیر کو خلافت نہ ملی تو حالات ہی کہہ رہے تھے کہ نہ ملے گی البتہ اگر مل جاتی تو حیرت ہوتی اگر مل جاتی تو لوگ سوچ سکتے تھے کہ رسولؐ کے اثرات نے علیؑ کو خلافت دلوائی مگر ۲۵ سالہ تین خلافتوں کے باوجود ۳۵ھ میں علیؑ کو خلافت ملی۔ تو صرف یہ علیؑ کے اثرات تھے۔ خلافت ملی یا تاریخ کا عظیم معجزہ ہو رہا تھا۔ حق واضح ہے۔ جس کا جی چاہے مانے۔ جس کا جی چاہے اپنی آنکھ کے ساتھ عقل و ہوش و دیانت کو بھی بند کر لے۔

(۱۰) فیصلہ کیجیے!

کہا جاتا ہے اگر حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل مان لی جائے تو بڑے بڑے صحابہ بلکہ وفات پیغمبر کے بعد سے اب تک کے مسلمانوں کی بڑی تعداد کو گمراہ اور دوزخی ماننا پڑے گا اور جنتی صرف شیعہ قرار پائیں گے جنکی تعداد آج بھی بہت کم ہے اور ماضی میں تو بہت ہی کم تھی۔ لہذا اکثریت کو دوزخی مانا جائے اور علیؑ کو خلیفہ بلافصل مانا جائے۔ یا خلافت بلافصل علی سے انکار کیا جائے۔ اور اسلام کی اکثریت اور بڑے بڑے مسلمانوں اور صحابہ کو جنتی مانا جائے لہذا اسلام کی اکثریت اور صحابہ کبار کی حمایت کا تقاضہ یہ ہے کہ خلافت بلافصل کے عقیدے سے انکار کیا جائے مسئلہ اگر سیاسی ہوتا تو مذکورہ بالا حساب کی بڑی قیمت تھی لیکن مسئلہ دینی ہے۔ لہذا مصالح و مفاد افراد کے بجائے حقیقت کا سامنا کرنا اور حق کی پیروی کرنا ضروری ہے مذکورہ بالا مخالفین "خلافت بلافصل علی" کا کہنا ہے کہ اس عقیدے کو ماننا مسلمانوں کی بڑی تعداد اور عظیم اکثریت کو دوزخی ماننا اور صرف ایک فرقہ شیعہ کو جنتی ماننا ہے ہم کو تسلیم ہے کہ صورت حال یہی ہے مگر تمناؤں سے صورت حال نہ بدلتی ہے نہ بدلی جاسکتی ہے۔ آئیے نبی سے معلوم کرلیں کہ مسلمانوں کی اقلیت و اکثریت میں کون دوزخ میں جائے گا اور کون جنت میں؟ توحضور فرمائیں گے میں نے تو اقلیت و اکثریت کے طبقات تقسیم

سے قبل خبر دی تھی جس کا حوالہ نقل کیا جا چکا ہے کہ
میرے بعد مسلمانوں میں ۷۳ فرقہ ہوں گے جن کی عظیم اکثریت
۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ اور معمولی اقلیت صرف ایک
فرقہ جنت میں جائے گا۔"
کیا مسلمان تیار ہیں کہ ارشاد پیغمبر کی روشنی اور تاریخ کے آئینہ میں
فیصلہ کریں کہ:۔
"اکثریت میں کون تھا اور ہے اور اقلیت میں کون اور قیامت
کے دن اقلیت کہاں ہوگی اور اکثریت کہاں۔"
ع ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

(۱۱) نبی کو مانئے یا خلفا کو!

حضورؐ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر خلیفہ بنے انھوں
نے اپنے بعد عمرؓ کو بنایا اور آپ کی مقرر کردہ مجلس شوریٰ نے علی کی مخالفت
کر کے عثمانؓ کو خلیفہ بنایا۔ ان کے بعد عہد معاویہ سے "ترکی خلافت" تک
صرف دنیاوی حکومت تھی خلافت اُن سے پہلے ختم ہوگئی تھی یہ ہے مسئلہ
خلافت کا وہ خلاصہ جس پر سنّی مذہب کی بنیاد ہے۔
اور اس خلافت کی بنیاد ہے کہ "حضور نے اپنی زندگی میں کوئی
خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا بلکہ مسئلہ خلافت امت کے طے کرنے کے لئے چھوڑا

تھا" مگر حضور نے اپنی تبلیغ کے آغاز کے دن اپنی پہلی تقریر میں دعوت ذوالعشیرہ میں خلافت علیؑ کے حوالہ کردی تھی۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

تین سالہ مخفی تبلیغ کے بعد۔

"جب حضور کو حکم ہوا کہ کھلی تبلیغ کریں اور سب سے پہلے اپنے قرابت داروں میں اظہار تبلیغ کریں تو حضرت کے حکم سے حضرت علیؑ نے بنی عبدالمطلب کو مدعو کیا جو چالیس آدمی تھے۔ پہلے دن ابولہب نے تقریر پیغمبر سے مجمع کو یہ کہکر بھڑکایا اور اٹھا یا کہ محمد جادو کر رہے ہیں۔ کیونکہ کھانا کم تھا حضرت نے پہلے اسے چکھ کر کہا بسم اللہ کرو اور کھانا اتنا رہا کہ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھایا دوسرے دن حضور کے حکم سے حضرت علیؑ نے پھر سامان ضیافت کیا اور سب لوگ جمع ہوئے حضور نے تقریر فرمائی کہ اے لوگوں میں خیر دنیا و آخرت (اسلام) تمھارے پاس اپنے خدا کے حکم سے لایا ہوں۔ تم میں سے کون ہے۔ جو اس کام میں میرا شریک ہو کر میرا بھائی۔ وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہو۔ باوجود کمسنی کے حضرت علیؑ نے مدد کا وعدہ کیا حضور نے جناب امیر کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا" یہ میرا بھائی وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے اسکی اطاعت تم پر فرض ہے مجمع" مذاق اڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور جناب ابوطالب سے کہا یہ تم کو بیٹے کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔

کنزالعمال ج ۶ کتاب الفضائل۔ باب فضائل علی علیہ السلام ص ۳۹۷ مطبوعہ

دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۱۴ھ

ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۱۶، ۱۱۷ مطبوعہ الحسینیہ مصریہ

تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۲

تاریخ طبری جلد ۴ ص ۲۱۷ (مطبع حسینیہ مصر)

مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اگر خلفا برحق تھے تو رسولؐ نے وقت وفات انتخاب خلیفہ کا حق امت کو دیا تھا مگر آپ حق انتخاب امت کو تب دے سکتے تھے۔ جب علیؑ کے حق کی خلاف ورزی کرتے کیونکہ نصرت کے وعدہ پر علیؑ کو ذوالعشیرہ میں خلیفہ بنا چکے تھے۔ اور علیؑ حق نصرت ادا کر چکے تھے۔ لہذا بات اس منزل پر آجاتی ہے کہ خلفاء برحق ہوں تو حضور کام نکل جانے کے بعد علیؑ کو ان کا حق دینے اور اپنا وعدہ پورا کرنے کے بجائے حق تلفی فرمائیں یا حضور کا دامن حق تلفی اور وعدہ کی خلاف ورزی کے عیب سے پاک مانا جائے جیسا کہ ہر عیب سے پاک ہے تو خلفا ناحق غاصب۔ باطل قرار پاتے ہیں۔ لہذا مسلمان کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ نبی کو پاک کردار کا مانے۔ یا خلفا کو حق مانے ہم کو تو اسلام حضور کے قدموں سے ملا ہے۔ کسی دوسرے کی ہمیں کیا فکر۔

(۱۲) سچّا فرقہ!

گذشتہ دلیلوں سے یہ واضح ہو چکا کہ شیعہ و سنی میں صرف فرقہ شیعہ سچا ہے اب بحث صرف اتنی باقی رہ جاتی ہے کہ حضرت علیؑ

کے بعد کون، کون امام و خلیفہ برحق ہیں۔ اس تفصیل میں کئی فرقے پائے جاتے ہیں۔ زیدی۔ بوہرہ۔ آغا خانی۔ اور اثنا عشری وغیرہ۔ ان میں بھی صرف ایک ہی فرقہ سچا اور حق پر ہو سکتا ہے وہ کون فرقہ ہے اس کے معلوم کرنے کا راستہ بہت واضح ہے۔ جب یہ طے ہو چکا کہ حضرت علیؑ کو حضور نے بحکم خدا خلیفہ بلافصل قرار دیا تھا تو آپ کے بعد صرف وہی لوگ خلیفہ برحق اور امام امت ہوں گے جن کو رسولؐ بتائیں گے۔ حکومت پانے سے نہ خلفا برحق ہو سکے۔ نہ فاطمی بادشاہ یا اور کوئی حکومت قائم کر کے خلیفہ برحق و امام و ہادی ہو سکتے ہیں۔ اصول ایک رہے گا۔ بدل جائے تو اصول نہیں اس اصول پر صرف شیعہ اثنا عشری ہی سچا فرقہ ہے کیونکہ ہم بارہ اماموں کو مانتے ہیں جن کی تعداد رسولؐ نے مقرر کی تھی لہٰذا جتنے فرقوں کے امام ۱۲ سے کم یا زیادہ ہیں وہ باطل ہیں۔ نیز جن بارہ اماموں کو ہم مانتے ہیں انکے نام۔ ولدیت۔ القاب اور ان کی ترتیب حضور نے بیان فرمائی تھی۔ جو آج بھی کتب اہلسنت میں موجود ہیں۔ لہٰذا جو فرقہ اپنے مخالف کی کتاب سے اپنے آئمہ کے نام ولدیت۔ القاب اور ان کی ترتیب زبان پیغمبر کے ذریعہ بتلا سکے وہ برحق ہے اور جو ایسا نہ کر سکے اسے اپنے باطل ہونے کا اعتراف محشر سے قبل کر لینا چاہیئے۔

ہماری سچائی کی آخری دلیل ملاحظہ ہو۔

(۱) حضور نے فرمایا کہ اسلام ختم نہ ہو گا جب تک کہ بارہ خلیفہ نہ

ہو لیں جو سب قریشی ہوں گے۔"

صحیح مسلم کتاب الامارۃ جلد ۲ ص ۱۹۴ و ص ۱۹۵ طبع کلکتہ۔

صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۴ ص ۱۴۴ مطبع میمنیہ مصر۔

سنن الترمذی کتاب الفتن جلد ۲ ص ۱۱۵ باب ۴۶ نول کشور لکھنو

مسند احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۱۰۶

لہٰذا بارہ سے کم یا زیادہ ائمہ و خلیفہ ماننے والے کسی طرح حق پر نہیں ہو سکتے یہ بارہ ائمہ کون ہیں زبان پیغمبر سے ان کے نام مع ولدیت و لقب ترتیب سنئے۔

علی ان کے بعد حسن ان کے بعد حسینؑ پھر علی ابن الحسین زین العابدین پھر محمد ابن علی الباقرؑ پھر جعفر بن محمد الصادق پھر موسیٰ بن جعفر الکاظم پھر علیؑ ابن موسیٰ الرضا پھر محمد بن علی الجواد پھر علی بن محمد بن الہادی پھر حسن بن علی العسکری پھر محمد بن حسن المہدی۔

ینابیع المودۃ باب ۷۶ ص ۳۶۹ مطبوعہ ۱۳۱۱ھ بمبئی۔

مودۃ القربیٰ از سید علی ہمدانی آخری مودۃ

ان بارہ اماموں کے حالات کتب اہلسنت صواعق محرقہ ابن حجر مکی روضۃ الاحباب وغیرہ میں پڑھئے اور دیکھئے کہ حضور کے بعد ایسے پاکیزہ افراد کسی فرقہ کی تاریخ میں پائے جاتے ہیں۔؟

سچے اسلام اور صحیح مذہب کی جستجو اور تحقیق کرنے والوں کے لئے مذکورہ بالا

تحریر کافی ذخیرہ ہے مگر اس سے قبل دل و دماغ کو ہر طرح غیر جانب دار بنانے کی ضرورت ہے۔ علامہ احمد امین انطاکی اور ان کے بھائی صرف حدیث ثقلین و حدیث سفینہ پڑھ کر شیعہ ہو گئے تھے۔

مقدمہ میں صرف کتب اہلسنت کا حوالہ دیا ہے تاکہ کسی قسم کا شبہ نہ رہ جائے۔

اصل کتاب کے ترجمہ میں لفظی ترجمہ کی پابندی بالکل نہیں کی گئی ہے بلکہ ترجمہ معنوی ہے جس میں اُردو محاورہ کی طرف زیادہ توجہ کی گئی ہے۔

یہ تحریر اِس دُعا پر ختم کرتا ہوں کہ میری زندگی مذہب و محبت اہلبیت علیہم السلام پر ختم ہو مذہب شیعہ اثنا عشری زندہ باد۔
آواز جناب محمد بن ابی بکر پائندہ باد۔

اظہارِ شکر و امتنان!

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ کو روضۂ کاظمین میں محفل میلاد صدیقہ طاہرہ صلواۃ اللہ علیہا تھا ذکر فضائل کے بعد الحاج جناب مولانا سعادت حسین صاحب قبلہ سے ملنے گیا۔ موصوف کچھ دن قبل ہی سفر زیارات سے واپس ہوئے تھے آپ نے علامہ احمد امین انطاکی کا رسالہ

"فی طریقی الی الکتشیع" دیا۔ پڑھ کر دل چاہا کہ اس کا ترجمہ شائع کر دیا جائے۔

جناب قاضی سید محمد طاہر صاحب ایڈوکیٹ سیتاپور متولی وقف محمود آباد جو اس زمانہ میں ادارہ مدرستہ الواعظین کے بھی انچارج تھے۔ موصوف کی ذات گرامی کو خداوند عالم معافیت وصحت رکھے ادارہ کو آپ کی ذات سے عظیم معاونت حاصل ہے آپ نے اصرار فرمایا کہ اسے کتابی شکل میں ادارہ کی طرف سے شائع کر دیا جائے۔

برادر عزیز مولانا سید کرار حسین صاحب قبلہ واعظ نے فرمائش کی کہ ایک مقدمہ بھی لکھوں میں کوتاہ قلم ہوں اور میرے عزیز دوست مولانا سید کرار حسین صاحب ماشاء اللہ تحریر و تقریر دونوں محاذ پر صف شکن مجاہد ہیں۔ مگر عزیز محترم کی محبت کے سامنے سوائے تعمیل حکم کے کوئی چارہ نہ تھا۔ غرضکہ ترجمہ بھی کیا مقدمہ بھی لکھا۔

یہ کتاب باحسن وجہ شائع نہ ہو پاتی اگر کتابت سے لے کر طباعت تک سارے امور کی نگرانی مولانائے موصوف نہ کرتے۔ حوالے ڈھونڈھنے میں مولانا مظاہر علی صاحب متعلم مدرسہ نے بڑی مدد کی ہے ان سب حضرات

کا ممنون ہوں۔

والسلام

سید غلام عسکری واعظ

آنریری جنرل سکریٹری مدرسۃ الواعظین کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ

۱۰ر دسمبر ۱۹۶۵ء

مقدمہ

از جناب علامہ محمد بن مہدی شیرازی مدظلہ (کربلائے معلی)

ظالم سیاست نے مختلف کھیل کھیلے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوئے اور نت نئے فرقے نکلتے رہے۔ مسلمان ایک دوسرے کی گردن کاٹتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں میں اتنی خوں آشام لڑائیاں ہوئیں جس سے دوسرے تمام مذاہب کی تاریخ خالی ہے۔

قابل حقارت حاکم شام معاویہ مولائے کائنات خلیفہ خدا اور رسول امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام والصلوۃ کے اخلاف صرف ہوس حکمرانی میں جنگ کرتا ہے اور آپ کی شہادت کے بعد کامل بے حیائی سے خود کہتا ہے۔

"میں نے صرف بادشاہ ہونے کے لئے علیؑ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کی تھی!"

کیا مذکورہ بالا صورت حال سے زیادہ کوئی اور حالت ہو سکتی ہے جس پر انسانیت ماتم کرے اور خون کے آنسو روئے اسلام میں ایسے خلاف شریعت حالات وانقلابات یکے بعد دیگرے سامنے آتے رہے یہاں تک کہ امت محمدی اور اسلام دو قومیں اور

دو مذہبوں میں بٹ گئے۔ شیعہ اور سنی۔

تاریخ اپنی ظالمانہ روش پر چلتی رہی۔ حالات اس کی مدد کرتے رہے۔ بیدینی کا کھلم کھلا رواج ہوگیا۔ اسلام تقسیم در تقسیم کا شکار ہوتا رہا۔ افسوس اسلام، اموی بے دین بادشاہوں کے خلاف عباسیوں نے انقلاب پیدا کیا جس کا مقصد ہونا چاہیئے تھا کہ حق کو اس کی جگہ پر واپس پہونچایا جائے مسلمانوں کی صفیں سچے اسلام کے نیچے جمع ہوجائیں قرآن کے ہدایات اور احکام رسولؐ کا دور دورہ ہوجائے مگر اس کے برعکس عباسیوں نے ظلم کا دھارا اور تیز کردیا بنی امیہ کی گدی سنبھالنے کے بعد ان کو جیسے ہی اطمینان کی سانس لینا نصیب ہوا انھوں نے ائمہ اہلبیت علیہم السلام اور ان کے شیعوں پر مظالم ڈھانا شروع کردیئے بے قصور شیعہ مشق ستم کا نشانہ بنتے رہے جن کا جرم صرف یہ تھا کہ انکا مذہب حق تھا۔ وہ صرف حق کے حامی تھے۔ عباسی دفلسفہ دین کی حمایت کی بجائے ان کے قلب و دماغ و ضمیر میں نہ تھی۔

تاریخ اسلام کی عجیب ترین بات یہ ہے کہ بنی امیہ و عباس کے عہد حکومت میں یہودی۔ عیسائی۔ پارسی۔ بت پرستوں کے لئے عزت و احترام تھا مگر علیؑ و اولاد علیؑ اور ان کے لئے ان کی صدیوں کی حکومت میں کچھ نہ تھا اگر کچھ تھا تو قید خانے۔ دار و رسن۔ قتل گاہیں۔ تلوار اور انسانی جسم میں ٹھونکی جانے والی فولادی کیلیں۔ مذکورہ بالا تاریخ ظلم کی چکی میں شیعوں کو پیستی ہوئی گذر چکی۔ (قلائد الحقہ قلمی)

خلقت لھا ما کسبت) اب ظلم خدا سے اپنا انعام حاصل کر رہا ہے جس کا بڑا حصہ ابھی اسے ملنا باقی ہے لیکن آج جب مسلمانوں کے لئے زمانہ کی سب سے بڑی ضرورت انکا اتحاد ہے جو مصلحت و سیاست کے وقتی کھمبوں پر نہ بلند ہو بلکہ اس کی مستحکم بنیادیں مسلمانو کی مسلمان سے محبت و الفت ہو ہر مسلمان بھائی بھائی ہے۔ ایک بوجھ دوسرا اٹھانے پر بضد ہو۔ لیکن کیا تعصب زدہ دل و دماغ اس روح پرور منظر کو دیکھنا گوارہ کریں گے۔؟

افسوس آج بھی مسلمان کی آنکھ نہیں کھلی مسلمان آج بھی گروہ بندیوں میں پڑا ہے کفر کے فتووں کا دور دورہ ہے اختلافات کے جھگڑے چل رہے ہیں الزام تراشی اور گالم گلوج کا بازار گرم ہے۔ اغراض کے بندے تقلید کے اندھے اسے دینی خدمت سمجھ کر پھولے نہیں سماتے کتنی افسوس ناک بات ہے کہ آج بھی ایک عظیم اسلامی فرقہ کا راہنما کہتا ہے کہتے ہوئے نہ سوچتا ہے نہ شرماتا ہے کہ۔

"مسلمانوں کی دنیا میں شیعوں کی جگہ نہیں ہے"

معلوم ہے دنیا میں آج کتنے شیعہ ہیں؟ دس کروڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ اسلام میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہے کیوں؟ وہ ایسی کون سی نازیبا بات کہتے ہیں ان کا کوئی عقیدہ ملحدانہ ہے کیا اس لئے وہ مسلمان نہیں ہیں کہ وہ توحید، نبوت، قیامت کے قائل ہیں یا ان کی خطا یہ ہے کہ وہ توحید کے ساتھ خدا کو عادل

اور آنحضرتؐ کے ساتھ بارہ اماموں کے قائل ہیں۔ کیا رخ اسلام کے سب سے برگزیدہ افراد کے ماننے والوں کے لئے اسلام میں جگہ اس لئے نہیں ہے کہ اسلام شاہوں کا مذہب بن چکا اور وہ بلند کردار کو قبول نہیں کر سکتا۔

شیعہ، نماز، زکواۃ، خمس۔ روزہ۔ حج۔ جہاد امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر کے قائل اور اولیا خدا کے دوست، دشمن خدا کے دشمن ہو کر بھی مسلمان نہیں ہیں۔

شیعہ اسلام کو صرف قرآن اور سنت کے مطابق مانتے ہیں بادشاہوں کی زندگی کو اسلام کی تفسیر نہیں مانتے اور قرآن و سنتؐ کے مطابق اسلام کو انفرادی و اجتماعی زندگی پر حاوی و حاکم مانتے ہیں حتیٰ کہ ان کی نظر میں سیاست و جماعت تمدن و رسم و رواج معیشت و معاشرت غرضکہ کوئی چیز بھی مذہب کی گرفت سے آزاد نہیں ہے بے شک اُن کا جرم نا قابل معافی ہے۔

یہ زمانہ عقل و علم کی روشنی کا زمانہ ہے جس میں ان گھٹا ٹوپ اندھیروں کو جگہ نہ ملنی چاہیئے جو اندھیرے ہوس پرستی نے شیعوں کے گرد پیدا کئے تھے۔ یہ اتحاد کا زمانہ ہے۔ بیداری کا عہد ہے۔ یہ تباہ کن جھگڑے کب تک جھوٹ الزام۔ تہمت کا دور کب تک؟

آج شیعہ و سنی راہنما اس حقیقت کو محسوس کر کے ایک دوسرے

سے قریب ہو رہے ہیں کاش زمانہ ان کی راہ میں حائل نہ ہو۔
علامہ سید عبد الحسین شرف الدین صاحب کتاب المراجعات اور
علامہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء وغیرہ کی کتابوں نے قصیمی۔ احمد امین
بہیم چغتائی۔ جبھان۔ کرد۔ وغیرہ کے سامنے فاسد عقائد کی حقیقتیں
کھولدی ہیں۔ جن کو انھوں نے تسلیم کیا ہے شیعہ ہر موقع پر اتحاد کا
مظاہرہ کر رہے ہیں۔ آقائے بروجردی رحمتہ اللہ سے جب
برطانیہ وفرانس نے مصر کے خلاف نہر سوئز کے قومیاتے پر حملہ کیا
تھا تو تم نے عیسائیوں کی ناکامیابی کے لئے دعا خوانی کرائی۔ اسی
طرح فلسطین میں یہودی مظالم کے خلاف اور الجزائر میں فرانسیسی
بربریت کے خلاف علماء شیعہ عراق ولبنان نے اقدامات کئے جو اس
بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ شیعہ اتحاد کے خواہاں ہیں۔ جبکہ مذکورہ بالا
علماء شیعہ کے اقدامات کو ان حکومتوں نے پسند نہیں کیا جہاں وہ بستے
ہیں اسی طرح شیخ محمود شلتوت نے اپنا مشہور عالم فتویٰ دیا کہ
شیعوں کو بھی سنیوں کی طرح تمام مساوی حقوق واحترام اور مذہبی
آزادی حاصل ہونا چاہیئے۔

اس فتویٰ کو شیعہ سنی اتحاد کا سنگ میل کہا جا سکتا ہے۔ وہ دن
گئے جب سیاست کا فتویٰ چلتا تھا کہ شیعہ یہودی۔ مجوسی اور بت پرست
ہیں۔ ان کا قتل واجب ہے کیونکہ مشرک ہیں جس طرح وہ دن بھی
گئے جب سامراجی سیاست نے وہابیوں کو شہ دے کر ائمہ طاہرین

علیہم السلام کے بقیع میں مزارات منہدم کرائے گئے تاکہ مسلمانوں میں فتنہ و اضطراب کے شعلے بھڑکیں اور ان کا اتحاد جل کر خاکستر ہو جائے۔

آج شیعہ مذہب کی روشنی پھیل رہی ہے۔ ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے دنیا واقف ہو رہی ہے کہ شیعہ سے بہتر مذہب اور ان کے ائمہ سے پاکیزہ امام دنیا کو کہیں نہیں نظر آ رہے ہیں۔ ہر سمجھدار جان رہے ہیں کہ ان کے عقائد صحیح اور اقوال درست ہیں جن کو باطل کا غبار چھو بھی نہیں سکتا۔

دنیا کو عقل کے ساتھ چلنے سے نہ روکا جائے۔ شیعوں کو ان کے حقوق اور احترام دے جائیں حق تلفی کا دور ختم ہو مساوات کا عہد شروع ہو، بہتر ہوگا کہ شیعہ و سنی کی از کار رفتہ بحث بند کیجائے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ کون مذہب حق ہے بابی و بہائی۔ قادیانی جیسے فرقوں کی طرف توجہ کی جائے جو دانستہ و نادانستہ حق کی راہ سے منھ موڑے ہیں۔ زمانہ مہلت دے تو خوارج کی ہدایت کا کام شروع ہو جن کو معاویہ کی ریاست نے پیدا کیا تھا جو اب بھی کہیں نہ کہیں چھپے چوری باقی ہیں۔

آپس میں کٹ مرنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ ہم اپنی یہ طاقت وہریوں، یہودیوں، عیسائیوں، ظالم حکومتوں کے خلاف صرف کریں۔ زیر نظر کتاب جس پر یہ مقدمہ لکھا جا رہا ہے سچے اسلام کو

واضح کرتی ہے جہاں صحیح عقائد اور وہ زندگی ملتی ہے۔ جس سے اسلام دنیا کو نوازنے آیا تھا۔ علامہ احمد امین جب حقائق پر مطلع ہوئے تو ان کو اصول، فروع، اخلاق و آداب میں مذہب شیعہ بھی مذہب اہلسنت کی طرح پہلی بار مسلمان محسوس ہوا گہرے مطالعہ نے ان کو اس یقین تک پہونچایا کہ شیعہ ہی وہ مذہب ہے جو اصل اسلام ہے جسے آنحضرت لائے تھے۔ چنانچہ انھوں نے انصاف کو غالب کرتے ہوئے اسی وقت مذہب اہلبیت علیہم السلام اختیار کیا اور علماء شیعہ عراق ایران، لبنان کی نظروں میں اپنے علم و عمل و اخلاق کے سبب بلند مرتبہ حاصل کیا خدا ان کو جزائے خیر دے۔

ہم شیعہ ہو گئے!

ہم دونوں بھائی (شیخ احمد انطاکی و شیخ محمد مرعی) اکثر مذہب کے بارے میں بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ خصوصاً اسلام کے مختلف فرقوں کے عقائد و احکام زیر بحث آتے اور ہم کو حیرت ہوتی کہ ایک ہی اسلام کے مختلف فرقے ایک ہی مسئلہ کے بارے میں کیسے کیسے اختلاف رکھتے تھے۔ ایک بات کو ایک حرام دوسرا حلال تیسرا مکروہ چوتھا مستحب کہتا ہے۔ مثلاً زنا سے پیدا شدہ لڑکی کا نکاح اس کے زانی باپ سے شافعی کی نظر میں حلال اور ابو حنیفہ کی نظر میں حرام ہے۔ جری مچھلی لومڑی۔ بجو۔ خار پشت شافعی کی نظر میں حلال ابو حنیفہ اور دوسروں کی نظر میں حرام ہے۔ غرضکہ اسلامی فرقے اسی طرح کے اختلافات سے بھرے پڑے ہیں اور ماننے والے نہ صرف ان کے احکام مان رہے ہیں بلکہ ان اختلافات کو خدا کی رحمت سمجھ بیٹھے ہیں۔ گویا مذہب ہر فرقہ کے علما کی مرضی کا تابع ہے۔ یہ حرام کر دیں تو حرام ہو جائے حلال کر دیں تو حلال ہو جائے کیا مذہب کی خود کوئی حقیقت ہی نہیں ہے؟ علماء اور

مسلمانوں کی اس حالت کو سوچ کر ہم حیرت میں ڈوب جاتے تھے۔ وقت گذرتا رہا۔ ہم لوگوں کا قیام حلب میں تھا۔ ایک بار ہوٹل میں ایک صاحب جن کا نام عبد القادر الحاج موسیٰ تھا سے میرے بھائی شیخ مرعی کی ملاقات ہوئی۔ جناب سید عبد الحسین شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المراجعات" عبد القادر صاحب نے میرے بھائی کو دی بھائی نے کتاب دے کر مجھ سے کہا اسے پڑھو اور غور کرو یہ کتاب تم کو حیرت میں ڈال دے گی۔ مذہب جعفری کی کتاب ہے۔ میں نے کہا اس کتاب کو مجھ سے دور ہی رکھو مجھے شیعوں اور ان کے عقائد سے نفرت ہے۔ میں ان کو خوب جانتا ہوں۔ مجھے اس کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ بھائی نے کہا پڑھ کر دیکھو۔ عمل نہ کرنا۔ صرف پڑھنے سے تم کو کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ قریہ "الفوعۃ" میں مجھ سے اور شیعوں سے ایک بار بحث ہوئی تھی "الفوعۃ" ادلب کے ضلع میں ایک گاؤں ہے۔ اس بحث کی تفصیل آگے لکھوں گا۔ غرضکہ میں نے کتاب پڑھنا شروع کی۔ جتنا میں پڑھتا گیا کتاب سے دلچسپی بڑھتی گئی اور کتاب میری نظر میں عظمت حاصل کرتی گئی۔ اس کی حکیمانہ باتوں پر غور کرنے لگا۔ جناب عبد الحسین شرف الدین قدس سرہ اور شیخ سلیم بشری (جو اس وقت شیخ جامعہ قاہرہ تھے) کے درمیان بحث تھا کہ اس کتاب میں ہے۔ شیخ سلیم جس مسئلہ کو پوچھتے تھے۔ سید عبد الحسین مرحوم اس کا کافی اور شافی جواب دیتے تھے جسے شیخ سلیم کو تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ پوری کتاب میں یہی بحث ہے۔ جناب سید

کی گفتگو "ش" سے شروع ہوتی ہے جو شیعہ کا اشارہ ہے اور شیخ صاحب کی تحریر کا "س" سے آغاز ہوتا ہے جس سے مراد سنی ہے۔ جناب سید کی تحریر کی بلاغت و حکمت مجھ پر اثر انداز ہوئی۔ اور غور کرنے کے بعد مجھے فیصلہ کرنا پڑا کہ مذہب شیعہ حق ہے۔ مقدمہ سے لے کر آخر تک مطالعہ کرنے کے بعد میں نے کتاب بھائی کو واپس کردی۔ میرے دل نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور مجھے اس مذہب کے بارے میں کوئی معمولی سا شبہہ بھی باقی نہیں رہا۔

اس کے بعد ہم دونوں آپس میں مناظرہ کرتے کہ کبھی میں سنی عالم بنتا اور میرا بھائی شیعہ اور کبھی میں شیعوں کا وکیل ہوتا اور بھائی وکیل اہلسنت نتیجہ میں شیعہ مذہب صحیح اور سچا ثابت ہوتا۔ میں جب سنی کا وکیل ہوتا اور میرا بھائی مجھ سے کہتا شافعی کے فلاں فتوی کو کسی آیت یا حدیث سے ثابت کرو تو مجھے نہ کوئی آیت ملتی نہ حدیث پیغمبر میں مجبوراً کہتا کہ اجماع سے ثابت ہے لیکن اس اعتراض کا میرے پاس کوئی جواب نہ ہوتا کہ جب شافعی اور دیگر اماموں کے فتوے الگ الگ ہیں تو اجماع کہاں رہا۔ بلکہ اجماع کا منعقد ہونا کسی مسئلہ میں کبھی ممکن نہیں ہے۔ اور جب میں اپنے بھائی (وکیل شیعہ) سے کوئی مسئلہ پوچھتا کہ اس پر کتاب خدا یا سنت رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلیل پیش کرو تو وہ اسے ثابت کرتا اور اگر اہلبیت علیہم السلام کا کوئی ارشاد پیش کرتا تو پیغمبر کی دو حدیثیں اس ارشاد کو ثابت کرنے کے لئے موجود ہوتیں ایک حدیث سفینہ، میرے اہلبیتؑ

کی مثال جناب نوح کی کشتی کی ہے جو اس سفینہ میں آگیا اس کی نجات ہوگی اور جب جس کسی نے بھی اس کشتی کو چھوڑا وہ ڈوبے گا اور ہلاک ہوگا۔ دوسری حدیث ثقلین دمیں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں جن کے بارے میں دیکھوں گا تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔ ایک کتاب خدا دوسرے میرے اہلبیت، میری عترت ان سے وابستہ رہنے والا ہرگز گمراہ نہ ہوگا۔ اور ان دونوں میں حوض کوثر تک جدائی کبھی ناممکن ہے" اور مجھے بھائی (وکیل شیعہ) کی بات تسلیم کرنا پڑتی۔

جب ہم نے دیکھا کہ ہر مسئلہ میں حق مذہب اہلبیت علیہم السلام کی طرف ہے تو ہم دونوں بھائیوں نے مذہب جعفری قبول کرلیا اور جناب کمیت رحمہ اللہ کی طرح ہم کو کہنا پڑا۔

ومالی الاآل احمد شیعة
ومالی الا مذہب الحق مذہب

(آل احمدؐ کے علاوہ میں کسی کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نہ ان کے مذہب حق کے علاوہ کسی مذہب کو مان سکتا ہوں۔)

حلب میں علماء اہلسنت بے حد متعصب تھے لہذا ان کی ایذارسانی کے خوف سے ہم دونوں بھائی اپنے تشیع کو چھپائے رہے۔ اس حالت میں ایک مدت گزر گئی اور ہم بے چین رہے کہ امامیہ مذہب کے مطابق کیونکر عبادت خدا اور زندگی بسر کریں پہلے میرا خیال ہوا کہ نجف اشرف چلا جاؤں تا کہ وہاں علماء کے ساتھ رہ کر مذہبی معلومات مکمل کروں مگر یہ خیال عملی جامہ نہ پہن سکا۔ کافی عرصہ کے بعد میں نے لبنان جانے کا ارادہ

کیا۔ اور خدا پر بھروسہ کرکے لبنان کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ جہاں مجھے میرا مسیحا مل گیا۔

لبنان کا سفر!

خدا کے سہارے میں حلب سے لبنان آیا۔ بیروت میں ٹھہرا اور شیخ مصطفےٰ اغلاینی کا مہمان ہوا۔ بیروت سے صیدا آیا وہاں اپنے دوست عمر الحلاق کے یہاں ٹھہرا۔ ہم دونوں جامعہ ازہر میں ہم درس تھے اور آپس میں دوستی بھی گہری تھی۔ ان کے یہاں تین دن ٹھہر کر میں نے چلنے کا ارادہ کیا میرا دوست مجھے لے کر نکلا۔ ایک جگہ رک کر اس نے کہا تم ٹھہرو میں موٹر خانے جاکر تمہارے لیے موٹر لے کر آتا ہوں۔ میں ایک قہوہ خانے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ چائے پینے کے درمیان میں نے ایک شخص کی گفتگو سنی جو اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا صور میں ایک سید ہے جن کا نام عبد الحسین شرف الدین ہے۔ بڑے زبردست شیعہ عالم ہیں۔ جنھوں نے بڑے بڑے سنی عالموں سے مناظرہ کرکے ان کو چپ کر دیا ہے۔ یہ گفتگو سن کر بے حد خوش ہوا کیونکہ میں جس کے لئے سرگرداں و حیران تھا وہی گوہر مقصود اچانک میرے ہاتھ لگا میں بھول گیا تھا کہ جناب سید کا وطن صور ہے۔

جب عمر حلاق موٹر لے کر آئے اور مجھے بیروت کے لئے رخصت کرنے لگے تو میں نے کہا کہ میں صور جاؤں گا جو گفتگو میں نے سنی تھی اس کا

ذکر نہ کیا نہ میرا دوست جانتا تھا کہ میں شیعہ ہو چکا ہوں۔ اس نے حیرت سے پوچھا صور جا کر کیا کرو گے۔ میں نے کہا سُنا ہے کہ وہاں کوئی سید ہیں جو زبردست شیعہ عالم اور مناظر ہیں میں ان سے ملنے کی خواہش رکھتا ہوں تاکہ مناظرہ کروں ممکن ہے غالب آجاؤں میرے دوست نے کہا یہ تمھاری غلط فہمی ہے۔ تم غالب تو کیا ہو گے البتہ اگر ان سے مناظرہ کرو گے تو ضرور شیعہ ہو جاؤ گے۔ لہذا میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نہ جاؤ ورنہ مجھے خوف ہے کہ ملاقات ہوتے ہی تم کو شیعہ ہو جانا پڑیگا۔ میں نے کہا سبحان اللہ گویا میرے پاس عقل ہی نہیں ہے کہ جاتے ہی شیعہ ہو جاؤنگا۔ اس نے مجبوراً کہا۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو کرو۔ اور مجھے رخصت کرکے اپنے گھر چلا گیا۔ میں صور جانے والے موٹر اڈہ پر آیا۔ صور پہونچا۔ مجھے جناب سید عبدالحسین شرف الدین رحمتہ اللہ کا مکان معلوم نہ تھا اس شہر میں پہلی بار آیا تھا۔ راستوں سے ناواقف۔ محلوں سے بے خبر میں سید صاحب کا مکان پوچھتا ہوا چلا۔ آخر میں ایک جوان ملا جو گوشت و سبزی لادے ہوئے جارہا تھا۔ میں نے اس سے پتہ پوچھا۔ اس نے کہا میرے ساتھ چلے آؤ۔ جب ہم ایک پھاٹک میں داخل ہوئے تو اس نے بتایا جناب سید کا مکان یہی ہے میں اندر چلا گیا اور جب انکے ملاقات کے کمرہ تک پہونچا۔ میں خوش بھی تھا اور اجنبی مسافر کی طرح متوحش بھی۔ دروازے پر رک کر میں نے پوچھا کیا آپ تشریف رکھتے ہیں؟

جناب علامہ عبدالحسین مرحوم بیٹھے لکھ رہے تھے۔ انھوں نے سر اُٹھا کر دیکھا مگر اس پر حیرت زدہ تھے کہ میں نے سلام سے ابتدا کئے بغیر کیسے گفتگو شروع کر دی مجھے غور سے دیکھ رہے تھے کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں جس نے اسلامی روش کی پابندی نہ کی۔ ان کی نظر نے مجھے اپنی غلطی پر متوجہ کیا چنانچہ میں نے فوراً کہا السلام علیکم یا ایہا السید یا ابن بنت رسول اللہ (اے سید اے فرزند دختر رسول تم پر سلام) میری اس تبدیلی اور موقع شناسی سے جناب علامہ بہت متاثر ہوئے آپ نے اُٹھ کر اور اپنی جگہ چھوڑ کر میرا گرم جوشی سے استقبال کرتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔ اور بہ آثار مسرت چہرہ سے خوش آمدید کہا۔ میں نے کہا آپ کی کتاب "المراجعات" مجھے آپ تک لائی ہے علامہ نے خوش ہو کر بہتر پذیرائی کی۔ میں نے اپنی پوری داستان ان کو سنائی کہ کیونکر ان کی کتاب ملی۔ کتاب پڑھنے سے پہلے اور پڑھنے کے بعد میرے تاثرات کیا ہوئے۔ میرے واقعات سننے سے ان کی مسرت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اتنی طویل گفتگو ہوئی کہ نماز ظہر کا وقت آ گیا مگر مجھے احساس نہ تھا جب اذان کی آواز سنی تب وقت کا اندازہ ہوا۔

میں نے آپ کے ہمراہ مسجد چلنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ موصوف نے فرمایا نہیں آپ کی خاطرداری کے پیش نظر اسی جگہ نماز پڑھوں گا۔ چنانچہ میں نے علامہ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کھانا ہوا

مجھے برابر بٹھلا کر بڑے احترام کے ساتھ کھانا کھلایا۔ میں جب آیا تھا تو وحشت زدہ تھا اور اب اتنا مانوس کہ دنیا میں ان سے بڑا کوئی میرا مونس نہ تھا اور میرے دل سے دعا نکل رہی تھی "مالک مجھے ایسی صحبتیں عطا فرما"۔ احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے مسلسل شمار رہے تھے۔ اور میری وحشت مسافرت اور اجنبیت دور کرتے جا رہے تھے۔ پھر خود ہی فرمایا کہ پوری زندگی میں آج سے زیادہ خوشی کا دن نہیں آیا۔ میرا بھی یہی حال تھا۔ میں ان کے اخلاق کریمانہ اور پر لطف وعلمی گفتگو میں محو ہو کر وطن اور اہل وعیال کو بھول چکا تھا۔

علامہ کا انداز گفتگو یہ تھا کہ جب نماز روزہ وضو وغیرہ فروع دین یا اصول دین یا عقائد کا کوئی مسئلہ بیان فرماتے تو کہتے جاتے اس مسئلہ میں ہمارا مذہب یہ ہے مگر آپ کو ماننے نہ ماننے کا اختیار ہے خداوند عالم مرحوم علامہ کو جنت میں بلند ترین درجہ عطا فرمائے ان کے اخلاق وعادات حدود ثنا وصفت سے بلند تر تھے میں کئی ہفتہ جناب علامہ کے یہاں مقیم رہا۔ ہر دن اعزاز واحترام میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ میں نے جب حلب جانے کی اجازت چاہی تو اجازت نہ دی۔ فرمایا کچھ دن اور چلے جانا تمھاری جدائی مجھ پر شاق ہے۔ ایک بار ابوالعلاء معری کے اشعار کو اپنے دل کی کیفیات کا ترجمان بنا کر ان کی خدمت میں پڑھنے کی اجازت مانگی۔ ابوالعلا حلب

ان سے ملنے گیا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے یہ اشعار پڑھے تھے
میں نے جب ابو العلاء کے ان اشعار کے مثل تھے اس کے بعد مجھے
رخصت کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا جب میں آپ سے رخصت ہو کر چلا تو
آپ نے اپنی تصنیف "ابو ہریرہ" مرحمت فرمائی۔ بیروت آکر میں نے
کتاب سامان سے نکالی۔ جب پڑھنا شروع کی تو دلچسپی اتنی بڑھی کہ بغیر
ختم کیے کتاب نہ رکھ سکا اور بیروت سے حلب تک کا سفر اس مطالعہ میں
ختم ہو گیا۔ یہ عظیم گراں قدر تالیف ہے مجھے کہنا پڑا ایسی تصنیف و مصنف
کے پیدا کرنے میں زمانہ بہت بخیل ہے۔

مذہب جعفری یعنی دین اہل بیت علیہم السلام بلا واماکا یا مہ
اختیار کر کے میرا ضمیر مطمئن ہو گیا اور ولایت آل محمد علیہم السلام اختیار کر کے
میں دوزخ سے نجات پا گیا۔ کیونکہ حدیث سفینہ کے مطابق صرف اسی کی
نجات ہو سکتی ہے جو صرف اہل بیت علیہم السلام سے وابستہ ہے یہ مذہب
پا کر خوش ہوں اور محبت اہل بیت کے تقاضوں کے مطابق زندگی میری
آرزو ہے اور یہی میری دعا ہے۔

شیعیت کی اشاعت

وطن پہونچکر میں نے اپنے بھائی محمد علی امین سے جناب علامہ کی ملاقات اور
مفصل حالات بیان کیے۔ اب میں صرف شیعہ نہ تھا بلکہ جیسے خدا نے میرے

دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ حلقہ احباب میں شیعہ مذہب کا تعارف و تبلیغ کروں۔ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ چونکہ حق نہایت درجہ واضح ہے لہذا جیسے ہی میں کسی کے سامنے اسے پیش کروں گا ویسے ہی وہ شیعہ ہو جائے گا کسی طولانی بحث کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ میں شیخ ناجی غفری سے ملنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ جو علاقہ جسر شغور کے ایک دیہات میں رہتے تھے۔ اب یہ علاقہ "ادب" تعلقہ میں شامل ہو گیا ہے۔ کار کے ذریعہ میں پہونچا۔ شیخ ناجی غفری کا مہمان ہوا ہم دونوں انطاکیہ میں ساتھ پڑھتے تھے۔ ارادہ تھا کہ اپنے عقائد اور جناب سید عبدالحسین شرف الدین رحمتہ اللہ کی ملاقات کا حال بیان کروں گا۔

چائے اور کھانے کے بعد جب ہم لوگ مصروف گفتگو تھے تو اسلامی فرقوں کے اختلافات تک گفتگو پہونچی۔ میں نے گفتگو میں آنحضرت کی عترت پاک علیہم السلام کے اقوال پیش کرنا شروع کئے۔ شیخ غفری نے ایک بار متوجہ ہو کر کہا تم مذہب جعفری کی حمایت کر رہے ہو۔ حالانکہ اہل بیت طاہرین کی محبت و مودّۃ سے کون شخص انکار کر سکتا ہے۔ میں نے کہا تم بہترین بات کہہ رہے ہو۔ لیکن اس نے میری گفتگو سے محسوس کر لیا کہ میں اب شافعی نہیں ہوں۔ جبکہ اسے معلوم تھا میرے عقائد اشعری اور اعمال و عبادات شافعی مذہب کے مطابق تھے۔

جب میں نے دیکھا کہ گفتگو اب ناخوشگواری کے قریب ہو رہی ہے تو سلسلہ کلام منقطع کر دیا اور حلب واپس چلا آیا۔ چند ماہ بعد پھر گیا۔ اس ملاقات

میں میرے دوست نے از خود کہا اس دن والی بحث کو پھر سے دہرائیں۔ میں
نے دوبارہ گفتگو نقل کی دوست نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا میں سمجھ
گیا۔ تم شیعہ ہو گئے ہو۔ تم اینٹ پر نماز پڑھتے ہو اور ابوحنیفہ ہو۔ خاک
شفا پر سجدہ کرتے ہو) اور شدید نفرت کا اظہار کیا کہنے لگا کہ میں تو ابو حنیفہ
کا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو کرو۔ تین دن تک
بحث ہوتی رہی مگر مجھے اس بار بھی ناکام واپس ہونا پڑا۔ اس کے
باوجود بھی مجھے اس کے شیعہ ہو جانے کی امید تھی۔ ایک مدت گذر جانے
کے بعد بھی مایوس نہ تھا البتہ سوچتا تھا کہ کون سا مناسب طریقہ اختیار کروں
جس سے مقصد حاصل ہو جائے۔ چنانچہ تیسری بار میں پھر ملنے گیا۔ گفتگو
شروع ہوتے ہی ان سے کہا باغ میں باتیں کریں گے۔ شیخ غفری کا
مکان گاؤں سے باہر باغ میں تھا۔ جہاں انگور، انجیر اور زیتون کے
درخت تھے۔ بہار کا آغاز تھا۔ ہم انگوروں کی بیلوں کے درمیان ٹہلتے
اور باتیں کرتے رہے جب گھر واپس ہو رہے تھے تو گھر کے قریب پہونچ
کر اس نے کہا ایک نصیحت قبول کروگے۔ میں نے کہا نصیحت نہ قبول
کروں ایسا کیونکر ممکن ہے۔ جبکہ دین سے زیادہ کوئی نصیحت نہیں ہو سکتی
اور مجھے دین کے علاوہ کسی چیز سے ترغیب نہیں ہے۔ اس نے کہا
عمر و ابوبکر و عائشہ کو کچھ نہ کہنا کیونکہ یہ دونوں رسول کے صحابی اور
عائشہ ام المومنین ہیں۔ میں نے کہا تمھاری نصیحت مجھے منظور ہے کیا
تم نے کبھی کسی کے لئے نامناسب الفاظ مجھ سے سنے ہیں۔ اس نے کہا

گالی تو تمھاری زبان سے نہیں سنی ہے مگر عمر و ابو بکر گالی دیئے بغیر تم شیعہ کیسے ہو سکو گے۔ میں نے کہا کوئی جاہل تو گالی بک سکتا ہے مگر میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اس کے بعد میں نے کہا کیا تم بھی میری ایک بات مانو گے۔ اس نے کہا اگر حق ہو گی تو ضرور مانوں گا۔ میں نے پوچھا جو خدا اور رسولؐ کی مخالفت کرے تمھاری نظر میں وہ کیسا ہے۔ کہا مخالف خدا و رسولؐ مومن نہیں ہے۔ میں نے کہا کتاب سیاست و امامت تالیف ابن قتیبہ میں درج ہے۔

"کہ حضور نے اسامہ بن زید کو امیر لشکر اور عمر و ابو بکر کو ان کی ماتحتی میں جانے کا حکم دیا تھا۔ لشکر مقام "جرف" تک جا کر واپس آیا اور عمر و ابو بکر بھی واپس چلے آئے۔ آنحضرت بیماری کی شدت میں تھے اسی عالم میں سر پر پٹی باندھ کر مسجد میں اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے پیر زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ اور فرمایا لشکر اسامہ کو روانہ کرو لشکر اسامہ کو روانہ کرو جو شخص نہ جائے گا وہ خدا کی لعنت کا مستحق ہے۔"

عائشہ نے ام المومنین ہو کر جناب امیرؑ کے خلاف لشکر کشی کی اور حکم خدا "وقرن فی بیوتکن" (ازواج نبی پر واجب ہے کہ وہ اپنے گھروں کے اندر رہیں) کی مخالفت کی۔ میری بات لشکر شیخ عفری ارکر کر گھبرا سے گئے۔ اور کہا دیکھا تو میں نے بھی ہے میں نے کہا اب تم ہی سمجھو۔ انھوں نے پوچھا تمھارے پاس اگر شیعہ کتابیں ہوں تو مجھے دو۔ میرے پاس اس وقت صرف جناب

علامہ عبدالحسین طاب ثراہ کی کتاب "ابوہریرہ" تھی جو میں نے دے دی غفری نے کہا میں حلب میں تم سے ملنے آؤں گا مگر ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا نچلا ہونٹ لٹک آیا تھا جس سے معلوم ہو رہا تھا کہ شدید غصہ ہے۔ مگر اس وقت یہ نہ معلوم ہو سکا کہ غصہ میری تقریر پر ہے یا ان پر جنھوں نے ظلم کیا اور پھر خلیفہ بھی مان لئے گئے۔ دو دن بعد حلب واپس آیا۔ غفری نے مجھ سے ملنے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں بہت خوش تھا کیونکہ میں نے اپنی آرزو حاصل کر لی تھی۔ ایک دن دوپہر کو کھانے کے بعد میں سونے کے لئے لیٹ چکا تھا کہ دیکھا دروازہ میں شیخ غفری ہیں میں لحاف پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔ نیند کا اب میری آنکھوں میں نشان تک نہ تھا گرم جوشانہ استقبال کرتے ہوئے میں ان کو اندر لایا۔ میری خوشی کی کوئی حد نہ تھی میں نے کہا تم کو پا کر اب کسی کام کے لئے بھی نہ جاؤنگا۔ میں نے ابھی کھانا کھایا ہے۔ تمھارے لئے لاتا ہوں غفری نے کہا میں نے ابھی کھانا کھایا ہے۔ خواہش نہیں ہے۔ میں نے چاۓ پیش کرنا چاہی جسے اس نے قبول کر لیا۔ ہم لوگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ چاۓ آئی غفری چاۓ پی رہے تھے اور میری دی ہوئی کتاب "ابوہریرہ" پڑھتے جا رہے تھے۔ ایک ہاتھ میں کتاب تھی دوسرے ہاتھ میں چاۓ کی پیالی۔ ابھی انھوں نے صرف دیباچہ ہی پڑھا تھا کہ کتاب بند کر دی۔ اور کہنے لگے تمھارا مذہب سچا ہے اور میں ممنون ہوں کہ تم نے مجھے حق کا راستہ دکھایا کیا یہ کتاب مجھے دے سکتے ہو۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے۔ کتاب جیب میں

رکھ کر کھڑے ہو گئے کہا میرا ایک مقدمہ ہے میرے ساتھ عدالت چلو پھر کہنے لگے افسوس میری عمر کے ۴۵ سال گذر گئے اور میں مذہب اہلبیت علیہم السلام پر نہ تھا۔ خیر آج سے میں جناب امیرؑ اور ان کے گیارہ بیٹوں کو امام مانتا ہوں۔ ہم اسی وقت اٹھے اور عدالت چلے گئے۔ مقدمہ ختم ہونے کے بعد میں نے کہا۔ اپنے عقیدہ کو پوشیدہ رکھنا۔ میں بھی پوشیدہ رکھتا ہوں کیونکہ سنی علماء اس پر راضی نہ ہوں گے۔ اور فتنہ کھڑا کریں گے۔ عفری نے وعدہ کیا۔ ہم دونوں عدالت سے چلے راستہ میں میرے ایک دوست حاجی محمد قلیجی کا مکان آیا۔ میں نے کہا آؤ ان سے مل لیں ان لوگوں سے میری اچھی ملاقات تھی عفری اور ہم ان کے یہاں گئے سلام کے بعد ہی عفری کہنے لگا میں شیعہ ہوں۔ ان لوگوں نے کہا پھر بھی ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ عفری نے کہا یہ محمد امین انطاکی بھی شیعہ ہیں۔ لوگوں نے ان کی اس بات کی تصدیق نہ کی۔ کیونکہ میں جامع اموی جو جامع ذکریا کے نام سے مشہور ہے تعلیم دیتا تھا۔ میں نے شیعہ ہونے سے انکار کیا اور کہا یہ مذاق کر رہے ہیں نہ میں شیعہ ہوں نہ یہ شیعہ ہیں۔ لوگوں نے کہا صحیح ہے اور ہنسنے لگے مگر شیخ عفری قسم کھانے لگے کہ ہم دونوں شیعہ ہیں ان لوگوں نے کہا آپ کو ہم نہیں جانتے مگر شیخ احمد امین سے روز کی ملاقات ہے۔ ہم ان کے لکچر میں بھی شریک ہوتے ہیں ان کو شیعہ کیسے مان لیں غرضکہ عفری کی بات ماننے پر کوئی تیار نہ ہوا۔ میں نے شکر خدا ادا کیا۔ ہم لوگ رخصت ہو کر باہر نکلے۔ میں نے کہا تم نے تو غضب کر دیا تھا۔ عفری نے

ایک علمی تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں مذہب حق رکھتا ہوں اگر اسے چھپاتا ہوں تو منافق ہوں۔ اور دوسرے کے سامنے پیش کرنے میں کیا حرج ہے۔ جب حق ہے تو سنتے ہی مان لے گا۔ میرے اور ان کے درمیان جتنی علمی بحث ہو چکی تھی۔ جذبات میں اسے بھولے ہوئے تھے مجھے سنگ پرست اور ابو حنیفہ نہ معلوم کیا کیا کہہ چکے تھے۔ مگر اب وہ شیعہ تھے اور ساری دنیا کو اسی وقت شیعہ بنانے کے خواہشمند بھی تھے۔

شیخ ناجی کی سرگزشت!

زمانہ انقلاب بڑی تیزی سے آتے ہیں شیخ ناجی کبھی مجھ سے شیعہ ہونے کی وجہ سے نفرت کرتے تھے اور آج انھوں نے گھر پہونچتے ہی کتاب "ابو ہریرہ" اپنے باپ کو دیکر کہا اسے پڑھو حیرت میں پڑ جاؤ گے کہ تمھارا مذہب حق نہیں باپ بیٹے کی غیر متوقع گفتگو پر چونکے ہو گئے۔

انھوں نے حیرت سے کہا۔ کیا تم پاگل ہو گئے ہو جو ایسی بات کہہ رہے ہو یا اپنی بات کا مطلب نہیں سمجھ رہے ہو۔ ہم مسلمان ہیں۔ بھلا ہمارا مذہب حق کیوں نہ ہوگا۔ شیخ ناجی عفری نے اتنا سنتے ہی شیعہ مذہب کی سچائی پر بے شمار باتیں بیان کر ڈالیں۔ جو تحریر میں نہیں آسکتی ہیں۔ میں کچھ عرصہ کے بعد شیخ ناجی عفری کے حالات معلوم کرتے گیا کہ شیعہ ہونے کے بعد ان پر کیا گذری۔ عفری نے کہا یہاں کے لوگوں نے تمھارے قتل کا منصوبہ

بتایا ہے میں نے پوچھا کیوں؟ انھوں نے بیان کیا۔ میں نے ان لوگوں سے بہت بحثیں کی ہیں کہ اگر تم مذہب جعفری قبول نہیں کرتے تو دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتے میری باتوں سے مشتعل ہو کر ان میں ہیجان پیدا ہوا ہے اور ان لوگوں نے قسم کھائی ہے کہ تم کو قتل کریں گے۔ کیوں کہ میرے شیعہ ہونے کا سبب تم ہو میں نے کہا خدا مددگار ہے۔ لیکن تم نے میری مخالفت کی۔ میں نے تم سے وعدہ لیا تھا کہ مذہب تبدیل کرنے کو پوشیدہ رکھو گے۔ عفری کہنے لگے ڈرو مت۔ میرے ساتھ چلو میں ان لوگوں تک خود چلتا ہوں۔ یہ کہہ کر عصا لیا اور روانہ ہو گئے۔ راستہ کے دونوں طرف بیٹھے ہوئے لوگ ملے جنھوں نے نہ ہم کو سلام کیا نہ ہم نے ان کو سلام کیا۔ ان سے گزر کر پھر ہم اسی راستہ سے واپس آئے اب بھی کوئی شخص کچھ نہ بولا۔ میں نے شکر ادا کیا کہ خدا نے ان کو جامد و مفلوج بنا دیا ہے۔ گھر واپس آئے۔ میں رات بھر وہاں رہا اور رات بھر مذہبی گفتگو ہوتی رہی عفری بار بار کہتے "میں کہاں تھا اور اب کہاں ہوں نجات دوزخ میں تھا اب جنت میں آگیا خدا کا شکر بھی مسلسل ادا کرتے اپنی موجودہ حالت پر خوشی سے اس قدر بے قابو تھے کہ کبھی ہنستے کبھی روتے اور کبھی مذکورہ بات دہرانے لگتے۔

عفری ان حالات کے باوجود لوگوں کے سامنے ایسی باتیں کرتے رہے جن کو انھوں نے اس سے پہلے اشارۃً کنایۃً بھی نہ کہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انکو لوگ قتل کرنے کا منصوبہ بنانے لگے پہلے حکومت میں ان کے خلاف

شکایت کی انکو بار بار عدالت میں جانے پر مجبور کیا۔ ایک بار کوتوال
شہر کے پاس پکڑ کر لے گئے کوتوال نے پوچھا کیا یہ خبر صحیح ہے کہ تم
شیعہ ہو۔ عفری نے کہا ہاں کوتوال نے سخت و سُست باتیں کہیں لوگ
خوش ہوکر شور کرنے لگے۔ شیخ عفری نے رد و قدح اور بحث جاری
رکھی ــــ بات بڑھ کر وزارت داخلہ تک پہونچی اور خبر عام ہوئی
خدا کا شکر ہے کہ کوتوال معزول ہوا۔ بیشک حق غالب آتا ہے مغلوب
نہیں ہوتا۔ لوگوں سے جھگڑے اور عدالتی چارہ جوئی کا سلسلہ جاری
رہا آخر کار ان کو اور ان کی بیوی کو گرفتار کرکے گاؤں سے جبر شقور تک
پیدل لائے۔ عورت کا احترام بھی نہ کیا۔ جبر شقور کی عدالت نے ان کو
۱۲ دن سزا دیدی۔ لیکن شیعیان فوعہ دوڑ پڑے۔ اور انھوں نے حاکم
سے ان کی رہائی کا مطالبہ کیا جو جیل توڑ کر ان کو نکالنے کی ہمت کر رہے
تھے کہ لاذقیہ مقام سے جناب ہاشم بیگ شریف بھی آگئے۔ اور ان کو
جیل سے باہر لے آئے مگر شیخ عفری اب بھی حق کی حمایت میں خاموش
ہونے پر تیار نہ تھے۔ اور آج بھی چپ نہیں ہیں۔ ان کا نعرہ ہے میں
ابوذر کے نقش قدم پر ہوں جیل سے چھوٹ کر گھر آگئے۔ تبلیغ جاری رکھی
ایک دن ان کے چچا زاد بھائی عکرمہ آئے جنکا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا
تھا۔ انھوں نے مجھے سلام کیا۔ مگر سلام میں غصہ کی جھلک تھی۔ میں نے
غصہ کی وجہ پوچھی۔ عکرمہ نے کہا شیخ ناجی عفری نے ہم کو رسوا کر دیا ہے
ہر وقت کہتے رہتے ہیں میں شیعہ ہوں۔ میں جعفری ہوں۔ کاش وہ

چپ ہو جاتے۔

ایک دن ہم لوگ عابدمیں آغا کے پاس تھے۔ وہاں بھی تمھارے عفری نے اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کیا اسی پر بس نہ کی بلکہ عمر ابوبکر اور عائشہ کی مذمت بھی کرنے لگے۔ میں نے عکرمہ سے کہا ذرا دم لو میں ابھی تم کو کتب اہل سنت سے عبارتیں دکھلاتا ہوں تب تو قبول کر لوگے۔ عکرمہ بولے یقیناً۔ میں نے شبلنجی کی کتاب نور الابصار سے فضائل اہل بیت علیہم السلام دکھلائے وہ غور سے سنتا جاتا اور سر ہلاتا جاتا تھا۔ آخر میں کتاب ان سے خود لے لی۔ اور عبارت دیکھ کر کہا اگر یہ عبارت درست ہے تو میں تمھارے ساتھ ہوں۔ یہ کہہ کر شیخ ناجی کے والد کے پاس عکرمہ واپس گئے عکرمہ پر شیخ ناجی عفری کے والد اعتبار کرتے تھے یہ واقعہ اسوقت کا ہے جب میں شیخ عفری کے گھر پر موجود تھا۔ جب رخصت ہو کر موٹر اسٹینڈ پر آیا تاکہ حلب واپس جاؤں تو بس کے روانہ ہونے سے پہلے عکرمہ میرے پاس آئے جو مسکرا رہے تھے۔ سر بھی ہلا رہے تھے مگر لوگوں سے گفتگو نہیں کر رہے تھے۔ حلب میں مجھے شیخ عفری کی مبارک باد ان کے خط میں ملی کہ عکرمہ شیعہ ہو گئے۔ مجھے زیادہ مسرت اس لئے بھی ہوئی کہ عکرمہ شیخ عفری پر زیادہ سختی کرتے تھے۔

اس کے بعد شیعیت اس گاؤں میں پھیلتی رہی۔ گرد و نواح میں لوگ شیعہ ہونے لگے زرا اور گاؤں کے اکثر افراد شیعہ ہو گئے اور اس کے قریب دجوار کے گاؤں مثلاً عامود، رکوش، کفردین وغیرہ میں شیعیت

پھیل گئی۔ یہ خدا کی تائید تھی جس کے سامنے ہم شکر کے لیئے سجدہ ریز ہیں

سراقب میں تشیع!

سراقب میں زیادہ آبادی شیعہ ہو چکی ہے محمد علی خلیل کے خاندان میں حاجی خلیل محمد علی۔ ان کے بھائی احمد محمد علی۔ ان کے بھانجے بکور ابراہیم اور ان کا گھرانہ شیعہ ہو چکا ہے بلکہ تقریباً پورا خاندان شیعہ ہے بیت القدور کے خاندان میں احمد الحاج محمود القدور عبد السلام القدور وغیرہ اتنے افراد شیعہ ہوئے ہیں جن کا شمار مشکل ہے میں جب سنی تھا تو سراقب کی ایک مسجد میں پیش نماز تھا اور علم صرف و نحو اور فقہ شافعی کی تعلیم دیتا تھا۔ سراقب کے لوگ اس زمانہ میں مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ شیعہ ہونے کے بعد میں نے سراقب میں آکر جب شیعیت کی تبلیغ شروع کی تو ان کی محبتیں نفرت سے بدل گئیں سب میرے خلاف ہو گئے کچھ لوگوں نے قتل کرنے کی ٹھان لی بقیہ لوگوں نے ادلب کے مفتی حسن الکیالی فرزند شیخ طاہر الکیالی سے اور ان کے دوست شیخ نافع شامی سے میری شکایت کی کہ میں سراقب میں شیعہ مذہب پھیلا رہا ہوں۔ دونوں یہ خبر سن کر سخت بے چین ہوئے انھوں نے حکومت میں میرے خلاف درخواست دی۔ کہ میں قبیلوں میں جھگڑے ڈلوا رہا ہوں۔ حکومت اور عوام کو میرے خلاف ابھارا اتنی شکایتیں کیں کہ حاکم نے مجھے طلب کیا۔ عدالت میں مجھ سے سوال ہوا تم ابو بکر و عمر اور دوسرے

صحابہ کو گالیاں دیتے ہو؟ میں نے کہا مومن تو درکنار میں کافر کے لئے بھی اپنی زبان سے گالی کا لفظ نہیں نکالتا۔ یہ مجھ پر بہتان ہے۔ عدالت نے کہا کچھ لوگوں نے گواہی دی ہے۔ میں نے مطالبہ کیا کہ اگر کوئی گواہ ہے تو میرے سامنے آئے عدالت نے کہا چند ہفتہ کے بعد گواہ پیش ہو سکتے ہیں مجھے عدالت نے رخصت کر دیا۔ وہ دن تھا۔ اور آج کا دن ہے ابھی تک عدالت کو گواہ نہیں مل سکے۔ تلاش جاری ہے۔

اس تدبیر کی ناکامی کے بعد ایک بار مجھے پولس ہیڈ کوارٹر میں طلب کیا گیا کیونکہ حاکم بالا کا حکم آیا تھا کہ میرے متعلق تحقیق کی جائے میں اس وقت خلیل محمد علی کا مہمان تھا میں نے نہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر میرے میزبان کی رائے ہوئی کہ جانا چاہیئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہتر صورت پیدا ہوگی۔ غرضکہ میں تھانہ میں آیا تھانہ کے سربراہ نے میرا نام پوچھ کر اندر بیٹھنے کا سختی سے حکم دیا۔ اس کے بعد مجھ سے پیہم سوالات ہوئے تم ایسے ہو تم نے فلاں۔ فلاں کو گالی دی ہے وغیرہ۔ الزامات ہے میں نے انکار کیا کہ عداوت میں میرے خلاف یہ باتیں کہی گئی ہیں جو محض بہتان ہیں۔ میرے انکار پہ گواہ طلب ہوئے گواہوں نے جھوٹ فریب۔ بہتان سے بھری ہوئی گواہیاں دیں۔ لیکن سربراہ پولس نے حقیقت حال سمجھ لی۔ چنانچہ اس نے رپورٹ بھیج دی کہ میں بے گناہ ہوں اور الزامات غلط ہیں۔

سراقب میں شیعیت پھیلتی رہی اور میرے مخالفین کی دشمنی کا زور بھی برابر بڑھتا رہا۔ آخر کار سراقب میں میرا داخلہ غیر قانونی طور پر روکا

گیا تاکہ مذہب جعفری نہ پھیلے خلاف قانون باتوں کی حد یہ تھی کہ حسن عابدین جو سراقب کا بااثر شخص تھا۔ اس نے سراقب کے شیوخ کو میرے خلاف بھڑکایا۔ شیخ نظام نامی شخص اتنا مشتعل ہوا کہ اس نے مجمع میں مجھ سے کہا تم کافر ہو کیونکہ رافضی ہو گئے لہذا اہلسنت کے قریہ میں داخل نہیں ہو سکتے میں نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کیا مگر گواہ سب اس کے ا.۶۱ از د عابدین کے خاندانی تھے انھوں نے عدالت میں حلف لے کر گواہی سے انکار کیا اور بقسم کہا میں نے کچھ نہیں سنا۔ یہ تھے سنی مذہب کے پابند۔ افسوس کیسا مذہب.....؟

واقعات جن کا سراقب میں مجھے سامنا کرنا پڑا بہت ہیں ان میں سے صرف چند کا ذکر کیا تاکہ سراقب کا ذکر بھی کاروان تشیع میں آجائے۔

بھائی کی سرگذشت

میرے بھائی محمد مرعی امین جو میرے ساتھ ہی شیعہ ہوئے تھے۔ بلکہ میرے شیعہ ہونے کا سبب تھے مقام "غمارین" میں پیش نماز تھے۔ تقیہ میں رہے لیکن جہاں تک موقع ملتا وہ مذہب کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں کو ضمیروں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے مگر نہ خوشبو چھپ سکی ہے نہ انکا تشیع چھپ سکا۔ انکی تبلیغ سے بہت لوگ مثلاً محمد علی احمد اور ان کا خاندان مصطفےٰ النعام۔ الحاج عبد اور ان کے چچازاد بھائی محمد عثمان وغیرہ وغیرہ

شیعہ ہو گئے۔ جعفری مذہب کو بڑھتا دیکھ کر سینوں میں ہیجان، وحشت ہنگامہ غرضنکہ سب ہی کچھ پیدا رہا۔ تشدد میں حکومت سے مدد لی گئی میرے بھائی پر بھی اختلافات اور جھگڑے پیدا کرنے کا الزام لگایا گیا۔ حکومت میں شکائتیں ہوئیں چنانچہ سلقین کے پولیس انچارج نے عزمارین آکر میرے بھائی کو بستی سے نکل جانے کا حکم دیا۔

مجبوراً وہ حلب میرے پاس چلے آئے۔ جب مجھے حالات معلوم ہوئے تو ہم دونوں بھائی شام کے منطقہ شمالی کے قائد عزیز عبد الکریم سے ملے اور حالات بیان کئے۔ عزیز عبد الکریم واقعات سن کر غضبناک ہوئے حارم کے مجسٹریٹ کو جو سلقین میں تھے ٹیلی فون کیا اور کوتوال شہر کے لئے تہدید آمیز باتیں کیں۔ اسی کوتوال نے تھانیدار کو بھیج کر میرے بھائی کو عزمارین سے نکلوایا تھا آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ اگر شیخ مرعی کو راضی نہ کیا گیا تو کوتوال اور تھانیدار اپنے لئے سخت خطرہ سمجھ لیں عزیز عبد الکریم نے میرے بھائی سے کہا آپ عزمارین جائیں کوتوال شہر نے اپنے کو مشکل میں گرفتار دیکھ کر میرے بھائی سے صلح چاہی۔ چنانچہ وہ مع تحصیلدار کے عزمارین اور نمایاں افراد کو آبادی سے ساتھ لے کر میرے بھائی کے پاس حاضر ہوا۔ سب نے مل کر صلح کی درخواست کی۔ کافی خوشامد کے بعد میرے بھائی نے درگذر کی۔ اس کے بعد نہ صرف عزمارین بلکہ سلقین میں بھی کافی لوگ شیعہ ہو گئے۔ اور آج بحمد اللہ یہ سلسلہ جاری ہے۔

مکروہ چہرہ

جامع ذکریا۔ حلب میں شیخ ناجی ابو صالح نامی شخص مدرس تھا۔
جس نے خود مجھ سے شیعہ کتابیں مانگیں خصوصاً کتاب "ابو ہریرہ" تالیف
جناب سید عبد الحسین شرف الدینؒ میرے پاس ابو ہریرہ کتاب نہ تھی۔ البتہ
"المراجعات" تھی۔ چنانچہ المرجعات لے کر میں اس کے گھر گیا۔ وہ گھر پر موجود
نہ تھا میں نے اس کے نام ایک خط لکھا جو درج ذیل ہے اور کتاب میں
یہ خط رکھ کر اس کی بیوی کو کتاب دے کر چلا آیا۔

خط میں تحریر تھا "برادر عالم دفاضل۔ کتاب مراجعات کا مطالعہ
کرو گے تو معلوم ہو گا کہ مذہب اہل بیت علیہم السلام کا ماننا واجب ہے۔ اس
سے ثبوت میں تم کو کتاب میں بہت سی مستحکم دلیلیں ملیں گی۔ آیات قرآن مجید
اور احادیث پیغمبر اسلام سے تم پر واضح ہو جائے گا کہ نجات صرف اس کی
ہے جو اہلبیت علیہم السلام سے محبت رکھے اور مذہب جعفری کو تسلیم کرے۔"
کتاب اس کی بیوی لے کر چلی گئی۔ میں دو ماہ کے بعد اس سے ملنے گیا وہ
گھر پر مل گیا۔ سلام وملاقات کے بعد میں نے کتاب کے مطالعہ کے بارے
میں سوال کیا۔ ابھی تک یہ شخص میرے ساتھ باعزت برتاؤ کر رہا تھا میں
نے کہا اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے متنبہ کرو کیونکہ دین سے زیادہ کسی معاملہ
میں نصیحت کی ضرورت نہیں ہے میرے سوال پر خاموش رہا۔ آخر میں نے

یہ کہکر خاموشی توڑی کہ کتاب دیکھی بھی۔ اس نے کہا کاموں نے مطالعہ کی فرصت نہ دی۔ میں نے کہا اچھا تھوڑی بہت بھی پڑھی یا بالکل نہیں کہنے لگا اس کتاب کا لکھنے والا عالم اور علامہ ہے میں نے ۱۷ صفحات پڑھے مگر صحابہ پر اعتراضات کئے گئے ہیں میں نے سوال کیا اعتراضات حق ہیں یا ناحق؟

کہنے لگا صحابہ پر اعتراضات تو ہیں اس کے بعد میرے اور اس کے درمیان طول اور طویل بحث ہوتی رہی ــــ آخر میں اس نے کہا۔ تم چاہتے ہو میں شیعہ ہو جاؤں تو بہت آدمی شیعہ ہو جائیں گے۔ مجھ سے اُمید نہ رکھو۔ بالکل مایوس ہو جاؤ پھر خود بہ خود کہنے لگا اگر جبرئیل اور خود آنحضرت بھی اگر کہیں اور مجھ کو اپنے ساتھ لائیں تب بھی ان کے کہنے کے باوجود شیعہ نہیں ہو سکتا اور نہ ان کی تصدیق کروں گا۔ میں نے گفتگو بند کر دی۔ اس کو اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے گھر واپس آگیا بحث اتنی طویل تھی کہ میں پسینہ میں شرابور ہو گیا تھا۔

مجھے حیرت بھی تھی اور افسوس بھی کہ کیا اس قدر تعصب اور اندھی تقلید بھی ممکن ہے آج میں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا کہ ماحول اور دنیاوی منافع کی گرفت کتنی سخت ہے کہ دل مان رہا آنکھیں کہہ رہی مگر مسخ فطرت انکار پر مصر ہے اور وہ کس حد تک مجھے بار بار شکر ادا کرتا پڑا کہ خدا نے مجھے ہدایت کی توفیق دی ورنہ میں بھی ماحول کے گرداب میں اسی طرح پھنسا رہ سکتا تھا بے شک اگر اس کی توفیق نہ ہوتی تو میں کہاں اور ہدایت کہاں۔

لہ باطل نواز حق کو کس ٹیڑھی عینک سے دیکھتا ہے ملاحظہ کیجئے اب کفار مکہ پر کیا الزام ہے؟ کہ

حدیث ابوہریرہ پر بحث!

شیخ ناجی ابو صالحہ مدرس ابو جامعہ ذکریا سے ایک بار ابوہریرہ کی بیان کردہ ایک حدیث پر بحث ہو چکی تھی۔ جس نے بعد میں سنگین صورت اختیار کر لی تھی۔ اس بحث کے بعد اس نے مجھ سے شیعہ کتابیں مانگی تھیں۔ بحث کی تفصیل وآغاز وانجام درج ذیل ہے۔

میں دینی لکچر دیتا تھا۔ اتفاقاً صحیح بخاری ومسلم دونوں کی نقل کردہ ایک حدیث جس کے راوی ابوہریرہ ہیں زیر بحث آگئی۔ حدیث میں تھا کہ۔

"خدا نے ملک الموت کو جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس پیغام موت دے کر بھیجا جناب موسیٰ نے خدا کی دعوت اور قبض روح کو قبول کرنے کے بجائے ملک الموت کے چہرہ پر ایسا زبردست طمانچہ مارا کہ ملک الموت کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ ملک خدا کی بارگاہ میں ننگے پیر اور ایک آنکھ لے کر حاضر ہوئے۔ واقعہ کی تفصیل بیان کی اور خدا سے شکوہ کیا مجھے ایسے بندے کے پاس بھیج دیا جو موت سے نفرت کرتا ہے۔ خدا نے آنکھ دوبارہ پیدا کر دی مگر جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس دوبارہ جانے کا حکم دیا اور پیغام بھیجا کہ بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھیں جتنے بال ہاتھ کے نیچے آجائیں گے اتنے سال کی زندگی دیتا ہوں۔ ملک الموت نے یہ پیغام بھی پہونچایا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے سُنکر

پوچھا اتنی لمبی زندگی کے بعد؟ ملک الموت نے کہا پھر بھی موت کا سامنا کرنا ہوگا۔ جناب موسیٰ نے راضی ہو کر کہا تو پھر ابھی موت کیوں نہ آجائے"۔

میں نے اس حدیث پر چند اعتراضات کئے تھے۔

۱۔ جناب موسیٰ علیہ السلام خدا کے نبی اور ممتاز رسول ہیں۔ ملک الموت خود نہیں گئے تھے۔ خدا نے بھیجا تھا کیونکر ممکن ہے کہ آپ انکار کرتے اور وہ بھی اس طرح۔

۲۔ واقعہ میں دوسری غلط بیانی یہ ہے کہ گویا ملک الموت بھی انسان کیطرح آنکھ رکھتے ہیں جو پھوٹ سکتی ہے۔ یہ ملک کا مذاق اڑانا ہے۔

۳۔ جناب موسیٰ کے پاس توریت تھی۔ جس سے آپ کے بعد بھی انبیاء اس سے فیصلہ کرتے رہے توراۃ میں لکھا تھا جیسے قرآن مجید بیان کرتا ہے۔ وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والاذن بالاذن والسن بالسن والانف بالانف الخ

بنی اسرائیل کے لئے اللہ نے توراۃ میں لکھ دیا تھا کہ جیسا جرم ویسی سزا نفس کا بدلہ نفس، آنکھ، کان، دانت، ناک کا بدلہ آنکھ کان۔ دانت ناک سے لیا جائے گا۔ کیونکر ممکن ہے جناب موسیٰ جیسا نبی واقف ہو کر اس حکم کی مخالفت کرے اور ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دے۔

یہی حدیث ابو ہریرہ یہ مذکورہ بالا جرح اور رد وقدح کی اطلاع ایکسٹرا اوقاف شیخ محمد بلنکو کو مل چکی تھی۔ شیخ محمد بلنکو آج کل حلب میں شافعی مفتی

ہیں اس وقت محکمہ اوقاف میں تھے۔ اس بحث کو ہوئے کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ایک دن مجھے شیخ بلنکو کا پیغام ملا۔ جب میں جامع اموی میں لکچر دے رہا تھا موسم گرم تھا۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ نماز عصر کے بعد میں درس دے رہا تھا کہ قاصد نے آکر کہا شیخ بلنکو جامعہ اموی کے فلاں ہال میں آپ سے ملاقات کے منتظر ہیں سبق کو مختصر اور جلد ختم کر کے ان سے مل لیجئے۔ میں جب ملا تو انھوں نے فرمائش کی۔ اس دن دفتر اوقاف میں آپ حدیث ابوہریرہ کے بارے میں جو باتیں بیان کر رہے تھے اگرچہ مخاطب مدیر اوقاف تھے مگر میں اس وقت آگیا تھا آج اس گفتگو کو دوبارہ سننا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں درج ہے اور ہم اہل سنت کی کتب احادیث میں یہ دونوں کتابیں بڑی بلند پایہ ہیں خصوصاً بخاری کتاب باری کے بعد کا مرتبہ رکھتی ہے لہذا اس حدیث پر اعتراض اور وہ بھی آپ ایسے عالم سے میرے لئے بڑی حیرت کی جگہ ہے۔

میں نے کہا۔ برادر محترم اس حدیث نے مجھے حیران و سرگرداں کر ڈالا میں اس کے مطالب کی توجیہ و تاویل کرنے سے بالکل عاجز آگیا ہوں کیونکہ یہ حدیث از اول تا آخر عقل اور نقل دونوں کے مخالف ہے۔

محمد بلنکو نے کہا۔ عقل یا نقل کے خلاف کیا ہے۔ میں نے کہا مثلاً ملک کی آنکھ بیان ہوئی ہے۔ محمد بولے جب ملک کے پر ہو سکتے ہیں تو آنکھ بھی ہو سکتی ہے قرآن نے ان کو اولی اجنحہ (پروں والا) کہا ہے۔

میں نے کہا پر تو ہیں مگر کیا مادی پر ہیں جو اس طرح ٹوٹ سکیں جس طرح

پرندوں کے پر گرتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا مگر حدیث میں ملک الملوت کے لئے مادی آنکھ بیان ہوئی ہے جو ایک طمانچہ سے پھوٹ گئی۔

غرضکہ جب مفصل بحث ہو گئی تو محمد بانکو نے حق پہچانا اور مانا۔ کہنے لگے میں تمہارا ہمخیال ہوں خدا گواہ ہے اور خدا کی گواہی تمہارے موافق ہے الحمد للہ!

شام ہو چکی تھی روزہ کھولنے کا وقت قریب تھا۔ محمد بلنکو اور ہم باہم پُر لطف باتیں کرتے ہوئے چلے جہاں سے راستہ الگ ہوتا تھا۔ محمد مجھ سے رخصت ہو کر اپنے گھر گئے اور میں اپنے گھر آیا۔ محمد چاہتے تھے کہ گولہ دغنے سے پہلے گھر پہونچ جائیں کیونکہ سنی حضرات افطار کا وقت نہیں دیکھتے بلکہ گولہ کی آواز پر روزہ کھولتے ہیں۔ اس کے بعد محمد بلنکو میرے ہمخیال اور شیعہ ہو گئے مگر پوشیدہ رہے تاکہ سنی دیندار حضرات کے آزار کے درپے نہ ہو جائیں۔

شیخ محمد سعید العرفی جو دیر الزور کے رہنے والے اور اس وقت دمشق میں مجلس الاسلام کے رئیس اعلیٰ تھے۔ انھوں نے مجھے ایک خط جمیل الدھان کے نام دیا تھا۔ جمیل الدھان شام کے تمام اوقاف کے اس وقت ناظم اعلیٰ تھے جمیل صاحب کا دفتر حلب میں تھا۔ انھوں نے دفتر میں ملنے کے لئے مجھے بلایا تھا کسی مسئلہ میں وہ مجھ سے فتویٰ چاہتے تھے۔ رمضان کا یہی مہینہ تھا میں دفتر اوقاف میں داخل ہو کر جمیل صاحب کے کمرہ کی طرف بڑھ رہا تھا

اچانک شیخ ناجی ابو صالح اور ان کا جرگہ ملا یہ وہی شیخ ہیں جو آنحضرتؐ
و جبرئیل حضرت علیہم السلام کی گواہی شیعہ مذہب کے لئے ماننے پر تیار نہ
تھے) اگر دربان نہ آجاتا تو یہ لوگ مجھے قتل کر چکے ہوتے۔

شیخ ملتے ہی گرجے۔ تم ابوہریرہ کی حدیث کو جھٹلاتے ہو۔ میرے انکار
پر برہم ہوئے میں نے کہا ابوہریرہ نے معلوم نہیں کہا یا نہیں کہا البتہ تم لوگ اسکے
نام سے بیان کرتے ہو کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ پھر میں نے پوری
حدیث بیان کر کے کہا یہ کتاب خدا کے خلاف ہے۔ اس میں ملک اور
نبوت کی توہین کی گئی ہے اور بیل کے بالوں کے برابر عمر کا مضحکہ خیز
ذکر ہے۔

شیخ نے چیخ کر کہا۔ واضح ہوگیا کہ تم حدیث ابوہریرہ اور بخاری کا
مذاق اڑاتے ہو۔ وہ لوگ اٹھارہ تھے سب نے مل کر حملہ کیا۔ زندگی تھی
جو دربان پہونچ گیا ورنہ میں سفر آخرت کر چکا ہوتا۔

میں نے واقعہ کسی سے بیان نہ کیا۔ میرے گھر والے اعزہ و احباب بھی
ناواقف رہے مگر واقعات تو خود چلتے اور پھیلتے ہیں۔ میرے اعزہ و احباب
کو اطلاع ہوگئی۔ حلب کے نمایاں افراد میں سے ایک بزرگ ہیں جناب اسمعیل
الکجنا جو مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں وہ اس واقعہ پر شدید متاثر ہوئے
بلکہ برداشت نہ کر سکے۔

لہ باطل پرستوں کا آبائی کردار پہچانئے۔ انکا آخری حربہ دینداروں کا قتل ہی کرنا ہے

ایک دن بازار میں کسی کام سے گیا تھا۔ ایک جنازہ پر نظر پڑی۔ اس کے پیچھے چلنے والے مجمع میں الحاج اسماعیل الکنجیا بھی تھے ان پر میری نظر پڑی ان کے اشارے پر میں بھی شریک جنازہ ہو گیا۔ اور اپنا کام چھوڑ دیا۔ حاجی نے میرے کان میں کہا مرنے والی حجاز اور بہن ہے تم تلقین پڑھانا۔ میت کی تلقین سے فارغ ہو کر حاجی نے کہا تعزیت کے لئے مرحومہ کے گھر جانا ہے آپ بھی چلیں ہم لوگ وہاں پہونچے تو ایک مجمع دیکھا۔ جس میں کچھ لوگوں کو میں پہچانتا تھا اور کچھ سے ناواقف تھا۔ اکثر لوگ اس مجمع میں نمایاں افراد تھے۔ مثلاً ناظم القدسی۔ رشدی الکنجیا وغیرہ ہمارے بیٹھنے کے بعد حاجی اسمٰعیل کنجیا داخل ہوئے۔ سب لوگ ان کی تعظیم وسلام کے لئے کھڑے ہو گئے۔ صدر مجلس میں لوگوں نے ان کو جگہ دی۔ مجھے دیکھ کر بولے آپ وہاں کیوں تشریف رکھتے ہیں اور اپنے بھائی رشدی کنجیا سے کہا۔ تم انکی تعظیم کیوں نہیں کرتے جو ایسی جگہ بٹھا رکھا ہے شاید تمھیں معلوم نہیں یہ کون بزرگ ہیں۔ یہ شام کے عظیم ترین عالم ہیں۔ خود بھی سلام کیا۔ پھر سارے مجمع نے تعظیم وسلام کیا۔ حاجی میرے بارے میں کہتے رہے۔ افسوس زمانہ ان سے ناواقف ہے یہ عالم جلیل ہیں جن پر ایک ناخوشگوار واقعہ گذرا ہے۔ مجھ سے خطاب کر کے کہا۔ آپ ابو ہریرہ کی حدیث بیان فرمائیں جن کو بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے اور جو آپ کے اعتراضات ہیں۔ ان کو بلا خوف بیان فرمائیں۔ میں نے معذرت کی مگر انھوں نے قبول نہ کیا۔ بلکہ شدید اصرار کیا اور کہا افسوس ہے ہمارے علماء نے

اچھے برے کی تمیز چھوڑ دی ہے۔ ملک الموت کی آنکھ کس طرح پھوڑی گئی ہے ذرا اس کو بیان فرمائیں۔ الغرض مجھے بیان کرنا پڑا۔ جب میں حدیث اور اس کے نقائص بیان کر چکا تو حاجی نے مجمع سے کہا تم نے یہ خرافات سنے حیرت بھی تھی اور اضطراب بھی یہ لوگ زیادہ تر ملازمت پیشہ تھے۔ ان کو احادیث اور ان کی تفاصیل کا کیا علم ہوتا۔ البتہ علم ہونے پر صحیح تاثر ظاہر کرنے سے بھی انکو روکنے والا نہ تھا۔ چنانچہ مجھ سے سب نے پوچھا ایسی مہمل باتیں بخاری و مسلم نے نقل کی ہیں۔ میں نے کہا اس سے زیادہ مہمل اور لغو باتیں بھی درج ہیں۔ سب لوگ بخاری و مسلم کو برا بھلا کہنے لگے۔ اور اس حدیث کے مہملات کو بار بار دہراتے اور تعجب کرتے۔

حاجی اسمعیل نے مجمع سے پوچھا کیا تم نے اپنی زندگی میں ایسی حدیثیں سنی تھیں پھر مجھ سے فرمایا آپ شیخ ناجی ابو صالح والا واقعہ کیوں نہیں بیان فرماتے انھوں نے نہ صرف عداوت دبد تمیزی برتی بلکہ آپ کے قتل پر بھی آمادہ ہو گئے یہ سب اس لئے تھا کہ وہ آپ کی معقول باتوں کا جواب نہ رکھتے تھے۔ مجھے جب واقعہ کی اطلاع ہوئی تو میں برداشت نہ کر سکا۔ میں نے شیخ ناجی کو کہلوا دیا ہے کہ وہ اپنی زبان اور آپ کی مخالفت کو بند رکھے ورنہ مجھ سے زیادہ کوئی برا نہ ہوگا۔ اور اپنا حشر دیکھ لے گا۔ غرضکہ یہ مجلس ماتم اس طرح تمام ہوئی کہ وہ لوگ جو میرے دشمن تھے ذلیل و رسوا ہو چکے تھے۔

آخری ٹکر

شیخ ناجی ابو صالح مذکورہ سے متعلق ایک واقعہ کا مزید ذکر کرتا ہوں۔ میں حلب سے مزرعہ گاؤں جناب شیخ غفری سے ملنے کے لئے گیا شیخ غفری شیعہ ہو چکے تھے جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں ان کے حالات معلوم کرنے گیا تھا۔ شام کو پہونچا۔ رات بھر رہا۔ صبح کو عادین آغا کے خاندان کے دو آدمیوں سے ملنے کے لئے دیر کوش گاؤں گیا۔ یہ دونوں بزرگ حلب کے رہنے والے ہیں۔ مگر ان کا قیام جائداد کی دیکھ بھال کے لئے مذکورہ بالا گاؤں میں تھا۔ ان کے نام محمد اور ان کے بھائی عبد المجید ہیں انکی خواہش تھی کہ میں ان کے مذہب جعفری بتلاؤں۔ جب میں دیر کوش جا چکا۔ تو یہی شیخ ناجی ابو صالح حلبی اور ان کے دوست عبدوض الحلبی مزرعہ آنے طے کر کے آئے کہ میں یہاں ملوں گا اور وہ مجھے دین شافعی کی طرف واپس لے جانے کی کوشش کریں گے۔ شیخ ناجی اور عبدوض میری عدم موجودگی میں جناب غفری سے مل کر چلے گئے اور میری واپسی کے بعد دوبارہ آئے۔ ہم چاروں آدمی مشغول گفتگو تھے ناجی ابو صالح نے مجھ سے کہا ایک مرتبہ میری نصیحت سنو شاید پھر اپنے سابق مذہب پر واپس آجاؤ انھوں نے بہت کچھ سوچ رکھا ہوگا میں نے کہا پہلے ایک بات بتاؤ پھر جو کچھ کہنا چاہو کہو۔ میں نے کہا۔ مذہب شافعی کے علاوہ اگر

کوئی شخص کسی دوسرے مذہب کے مطابق عبادت کرتا ہے چاہے وہ مذہب ان چاروں اماموں میں سے کسی کا مذہب یا ان کے علاوہ کوئی پانچواں یا چھٹا مذہب وغیرہ تو اس کی عبادت جائز ہوگی۔ یا نہیں۔ ناجی نے کہا ہر شخص اپنی تحقیق کے مطابق عبادت کر سکتا ہے۔ میں نے کہا پھر مجھے صرف شافعی مذہب کا پابند بنانے کی کوشش میں کیوں لگے ہو۔ کہنے لگے مجھے تم سے محبت ہے[۱] میں نے کہا میں اسی محبت کی بنا پر تم سے خواہش کرتا ہوں کہ مذہب جعفری قبول کر لو تا کہ جو درجات مجھے ملیں وہ تم کو بھی حاصل ہوں۔ جواب نہ بن پڑا خاموش ہو گئے۔ البتہ میرے چلے آنے کے بعد شیخ غفری سے کہا تم نے اس گمراہ کی پیروی کی ہے۔ غفری نے کہا میں نے ان کا نہیں حق کا اتباع کیا ہے۔

مجھ سے کہتے تو میں بہت مفصل جوابات دیتا جس سے سنی مذہب کے تانے بانے سب ٹوٹ جاتے۔

بیوی کا شیعہ ہونا!

میں نے اپنے مذہب کو اپنی بیوی پر بھی ظاہر نہ کیا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ وہ قبول نہ کرے گی اور پھر چپ بھی نہ رہے گی بلکہ میری اذیت

---

[۱] اس کے قبیل قاتلانہ حملہ اسی محبت ہی کا نتیجہ تھا ع
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

کرار

کا دانستہ اور نادانستہ سبب بنے گی۔

آدمی ہزار کوشش کرے مگر حق کی روشنی چھپانے پر بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میری بیوی کو بھی اندازہ ہو گیا۔ ایک دن اس نے مجھ سے کہا تم اب شافعی مذہب پر نہیں معلوم ہوتے لیکن میں اپنا مذہب نہ بدلوں گی۔ میں نے کہا جس مذہب پر میرے آباؤ اجداد تھے اس مذہب کو میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں مگر اُسے میری بات پر یقین نہیں آیا۔ البتہ چُپ ہو گئی۔ لیکن میرے کاموں کی نگرانی کڑی نظر سے کرتی رہتی تھی۔ ایک دن میں کسی کام سے باہر گیا تھا۔ وہ میرے کمرہ میں داخل ہوئی۔ اسے کتاب "ابوہریرہ" دکھائی دی۔ اسے پڑھنا شروع کیا اور وہ حصّہ پڑھا جہاں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تقریر درج تھی جو آپ نے ابوبکر کے سامنے مطالبۂ فدک سے متعلق فرمائی تھی۔ اس حصّہ کو پورا پڑھ چکنے کے بعد وہ اس قدر متاثر ہوئی کہ جب میں گھر میں داخل ہوا تو وہ مظلومیت جناب فاطمہؑ اور ظلم ابوبکر پر رو رہی تھی۔ اور میں شیعہ ہوں میں شیعہ ہوں کہے جا رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے بتایا نہ کہا یہ مذہب جعفری جو حق ہے تم نے اب تک اسے مجھ سے پوشیدہ کیوں رکھا اس کے بعد میں نے اس کو وضو، نماز، روزہ اور تمام مسائل ضروری کی تعلیم دی بارہ اماموں کے نام یاد کرائے، حالات بتلائے اور وہ شیعہ مذہب سے واقف ہو کر اس سے وابستہ ہو گئی۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے یہ عظیم نعمت دی کہ میری بیوی اور میرے بچے سب شیعہ ہو گئے اس نعمت سے بڑی نعمت مجھے کوئی نہ ملی تھی البتہ

دین جعفری کی ہدایت یقیناً اس سے بلند اور بہت بلند نعمت مجھے مل چکی تھی۔

حلب کے شیعوں کا حال!

حلب اور اس کے دیہات و قصبات میں جب ہر طرف لوگ شیعہ ہونے لگے اور سنیوں کی رکاوٹیں ان کو نہ روک سکیں تو ایک کتاب شائع کی گئی جس کا نام "صراط مستقیم" تھا ابن عوض نے یہ کتاب لکھی مگر مکڑی کے جال سے نہ کبھی رسی بن سکی ہے نہ اس کتاب سے گرتی ہوئی غنیمت کی عمارت سنبھالی جا سکتی تھی اب صرف راستہ یہی باقی تھا کہ شیعوں کا سماجی و معاشی بائیکاٹ[1] کیا جائے۔ چنانچہ اس پر اتنی سختی سے عمل شروع ہوا کہ غریب شیعوں کو فاقے ہونے لگے۔ ہم کو کہیں مزدوری بھی نہ ملتی اگر کسی گھر میں کسی شیعہ کو مزدور کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع بھی ملتا تو یہ لوگ پہونچ کر گھر والے کو ڈراتے اور ہم کو کافر بت پرست (خاک شفا پر سجدہ کرنے والے) بتا کر وہاں سے نکلوا دیتے۔ لوگوں میں ہراس اتنا

[1] جو ناروا سلوک کفار قریش نے حضور سرور کائنات کے ساتھ کیا اور جو ظلم بت پرستوں نے اللہ والوں پر کیے وہی بدسلوکی کی اور ظلم غریب شیعوں پر کیے گئے۔ حق و باطل کا رشتہ پہچانئے۔ کرامر

پھیل گیا تھا کہ کوئی ہم سے ملنا گوارا نہ کرتا۔ ہم پر راستہ گلی میں پتھر پھینکے جاتے کہ گھروں سے نکلنا بلکہ گھروں میں بیٹھنا بھی ممکن نہ رہتا۔ بچے ہمارے ستانے کے لئے ہر وقت آمادہ رکھے جاتے ہم سے تعاون پر کفر اور شرک کے فتوے جاری تھے۔ منبروں پر اس موضوع پر تقریریں ہوتی تھیں۔ ہم سے ملنے والوں کی بھی شدید خبر لی جاتی تھی۔ ان کا ایک شیخ تھا جس کا نام سردار تھا اس نے حلب کے محلہ جی المعادری کی مسجد میں منبر پر ایسی سخت تقریر کی اور اس قدر جھوٹی باتیں بیان کیں کہ میرے بھائی کے برداشت سے باہر ہوگئیں۔ ان سے اور سردار سے کافی اور سخت بحث ہوئی ہم نے پولیس افسر سے شکایت کی۔ اس نے پہلے توجہ کی مگر ہم کو تھانیدار کے حوالے کر دیا اور ہر ممکن مخالفت میں حکومت کی طاقت ہمارے خلاف استعمال ہونے لگی ہم گرفتار کر کے دارالحکومت لائے گئے۔ بڑی مشکل سے ہماری رہائی ہوئی۔ پھر ہمارے خلاف عدالتوں میں مقدمات دائر کئے گئے یعنی صورتحال یہ تھی وہی ستاتے اور الٹے ہم کو ظالم کہہ کر مقدمات دائر کرتے پہلے اقدام کرتے پھر شکایتیں کرتے[۱]۔

غرضکہ مقدمات میں پیشیاں ہونے لگیں۔ سردار نے میرے بھائی پر معاویہ کو گالی دینے کا الزام لگایا۔ عدالت نے ایک ماہ کی قید با مشقت

---

[۱] رواداری کا غیر مستحسن طریقہ اپنانے والے بھی کاش ان سطروں کو پڑھ کر کچھ سوچنے کی زحمت کرتے۔ ک۔ ا۔ م۔

کا حکم دیا مجھ پر الزام تھا کہ میں نے ایک کتاب "رفع الشقاق فی احکام الطلاق"
لکھ کر بیدینی پھیلائی ہے مگر عدالت حاکم مطلق تھی نہ کہ پابند قیود و قواعد
جیسے چاہا سزا دی میرے بھائی کیطرف سے اپیل ہوئی۔ اور وہ بھی بری
ہو کر جیل سے رہا ہوئے۔ میرے بھائی کا جرم معاویہ کو برا بھلا کہنا تھا
اس کے عیوب کا ذکر جرم تھا اور اس کا عیبی ہونا جرم نہ تھا۔ وہ ظالم امام
حسن علیہ السلام کو زہر دے جناب امیر علیہ السلام پر سب و شتم کرے
(جبکہ آنحضرت نے آپ کے دوست کو مومن اور دشمن کو منافق فرمایا تھا۔
نیز آپ کا ارشاد تھا جو علی کو دوست رکھے خدا اسے دوست رکھے اور ان
کے دشمن کو اپنا دشمن قرار دے) اس کی یہ قبیح رسم ۸۰ سال ممبروں پر جاری[له]
رہی تو معاویہ مجرم نہیں ہے البتہ ان کی مذمت کرنے والا مجرم ہے۔ کیا خوب
انصاف ہے معاویہ صحابی تھے ان کی غلطی کے لئے خطاء اجتہادی کی صفائی
موجود ہے کیا یہی مذہب و دیانت ہے حالانکہ مذہبی طور پر سنی بھی قائل
ہیں کہ رسول کے صریح حکم کے بعد اجتہاد ناجائز ہے چہ جائیکہ اس کا اجتہاد
جو غلطی ہو۔ عدالت کو معاویہ کے لئے بڑی غیرت پیدا ہوئی کہ میرے بھائی
کو ایک ماہ کے لئے جیل بھیج دیا۔ مگر اس بے غیرت کو حضرت علی علیہ السلام
کے لئے معاویہ کے خلاف غیرت نہ آئی۔ پھر علی کو خلیفہ چہارم و خلیفہ راشد بھی

له علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق پورے نوے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیاء کوچک
اور اندلس تک مساجد میں منبروں پر حضرت علی کو برا بھلا کہا جاتا رہا ہے۔ ادارہ

مانتے ہیں ۔۔۔ دنیا ختم ہے ۔ آخرت میں ہر ظالم کو پاداش ظلم مل کر رہے گی

آقائے بروجردی یا ابر رحمت

ہم پر جب دنیا تنگ ہو گئی گھر کا سامان اور کتابیں تک بک چکیں فاقوں نے گھروں پر اپنا مہیب سایہ ڈالا ۔ نجات کی راہ یہی ایک معلوم ہوئی کہ حضور [illegible] جا کر جناب سید عبد الحسین شرف الدینؒ سے اپنے حالات بیان کروں ۔ مگر ہم پر راہیں بند تھیں ۔ شام سے لبنان جانے کی حکومت اجازت نہیں دیتی تھی ہم نے غیر قانونی طور پر بھاگ کر جانا طے کیا ۔ میں حلب سے اسی منصوبہ کے مطابق حمص آیا وہاں سے لبنان کی سرحد میں داخل ہونے کے لئے ایک موٹر والے کو تیار کیا ۔ سرحد تک پہونچے مگر ہم کو حدود لبنان میں داخلہ سے روک دیا گیا جبکہ حکومت لبنان کی طرف سے کوئی بندش نہ تھی ۔ ہم نے بہت محنت و کوشش کی مگر ناکامی مقدر بن چکی تھی ۔ پھر بھی ہمت نہ ہارے واپس ہونے کے بجائے ایک گاؤں کی طرف بھاگ نکلے جو درختوں اور کھیتوں میں چھپا ہوا تھا ۔ درخت اور گھاس انسان کے قد کے برابر تھی ۔ سختی پر سختی جھیلتے اور منزل پر منزل مارتے ہم بحفاظت جان شام کی سرحد سے نکل کر حدود لبنان میں جا پہونچے ۔

لبنانی سرحدی فوج نے ہم سے برا سلوک نہ کیا ۔ مگر جھاڑیوں نے ہم کو پارہ پارہ کر دیا تھا ۔ کپڑے بھیگ گئے تھے ۔ رات کو ہم لوگ طرابلس پہونچے

صبح وہاں سے بیروت روانہ ہوئے اور بیروت سے صور پہونچے۔ جناب سید عبدالحسین شرف الدین کے دروازہ پر یہ مصیبت زدہ قافلہ پہونچا تو آپ نے اور آپ کی اولاد نے ہمارا شاندار استقبال کیا۔ آپ کی مسرت کی کوئی حد نہ تھی جس کا بار بار آپ اظہار فرماتے رہے۔ حالات بیان کئے وہ سفر مصیبت۔ مصائب ہر بات کی تفصیل جانتے کے لئے بےچین تھے حالات معلوم کرکے ہم لوگوں کو بے صبری سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ دیر تک ہمارے حالات پر غور کرتے رہے۔ آخر میں جناب آقائے بروجردی طاب ثراہ کو حالات لکھے اور ہم کو اطمینان دلایا کہ امام عصر عجل اللہ فرجہ کے وکیل ہیں اور تم لوگوں کی مشکلیں دور ہو جائیں گی۔ چنانچہ جناب آقائے بروجردی نے ہم میں سے ہر شخص کے لئے دس دس عراقی دینار کا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ کے مال اور خدا کی رحمت میں ہم لوگوں کے دن رات چین سے کٹنے لگے۔

سفر ایران!

آیۃ اللہ آقائے سید حسین بروجردی رحمہ کی ملاقات وزیارت کے اشتیاق نے مجھے سفر ایران پر آمادہ کیا۔ ایران جاتے ہوئے عراق کے مقامات مقدسہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا۔ آیۃ اللہ آقائے محسن الحکیم مدظلہ نے نجف اشرف میں شرف ملاقات بھی بخشا اور بحد احترام واکرام سے پیش

آئے موصوف واقعاً محسن بھی ہیں اور حکیم بھی۔

میں فارسی زبان سے ناواقف ہونے کی بنا پر گھبرا رہا تھا میرے تمام ہمسفر اور بس کے مسافر ایرانی تھے نہ میں ان کی بات سمجھتا تھا اور نہ وہ میری بات خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کھانا۔ پینا۔ اترنا سوار ہونا اور سونا وغیرہ ضروریات اشارہ سے بتاتا اور سمجھاتا تھا۔ تین رات پیہم سفر کے بعد تھکا ماندہ اور کسی قدر رنجیدہ قم پہونچ گیا۔ ہوٹل میں قیام کیا صبح کو معصومہ قم کی زیارت سے مشرف ہوا ایک قہوہ خانہ میں آقائے بروجردی کا پتہ دریافت کیا ایک مہربان نے ان کے گھر تک پہونچایا عشرہ محرم کا زمانہ تھا مجمع کی کثرت اور لوگوں کا ازدہام تھا جگہ جگہ روضہ خوان فارسی میں مجلسیں پڑھ رہے تھے میں نے شرکت کی مگر کچھ بھی سمجھنا میرے بس سے باہر تھا۔ فارسی کی ناواقفیت اب ناقابل برداشت بوجھ بن چکی تھی کہ اتفاقاً سید رضا صدر سے ملاقات ہوئی اس سے قبل بیروت میں میں ان سے مل چکا تھا اور انھوں نے قم آنے کی دعوت دی تھی۔ آج ان کا نظر آنا میرے لئے نعمت غیر مترقبہ تھا وہ مجھے نہ پہچان سکے۔ لیکن میں نے انھیں پہچان کر ملاقات کی۔ معمولی پذیرائی سے پیش آئے میں نے کہا آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔ اتنا سنتے ہی ایک بار غور سے مجھے دیکھا اور میرا نام لے کر مجھ سے لپٹ گئے ــــ حاجی احمد کو بلا کر سید رضا نے کہا جا کر آقائی بروجردی کی خدمت میں اطلاع دو کہ شیخ احمد انطاکی آئے ہیں حاجی احمد نے اطلاع بھی پہونچائی اور آقائی بروجردی کا پیغام بھی سید رضا صدر کو

سُنایا۔ مگر میں فارسی سے نابلد تھا لہٰذا سید رضا صدر نے پیغام آخری سانس تک میرے مہمان ہیں اور محترم مہمان! فرمایا ہے کہ جس جگہ پسند کریں قیام فرمائیں۔

چنانچہ ارم ہوٹل میں میرے لئے ایک مخصوص کمرہ کیا گیا اور ایک خادم دیا گیا اور ہوٹل کے منیجر کو ہدایت کی گئی کہ یہ آقائے بروجردی کے محترم مہمان ہیں میرے سارے اخراجات موصوف کے ذمہ تھے۔

جناب سید رضا صدر اور شیخ محمد ابو الفضل جو عربی کے بھی ماہر تھے ہمہ وقت میرے مونس و ہمدم تھے سفر کی اجنبیت اور وطن سے دوری میں بھول چکا تھا عصر کے وقت آقائے بروجردی نے ملاقات کے لئے طلب فرمایا ملاقات کے وقت صرف ہم ہی انکی خدمت میں حاضر تھا خصوصی احترام اور پرجوش استقبال سے میری عزت افزائی فرمائی۔ مجھ پر اور شیعیان حلب پر جو کچھ گذری تھی اس کی تفصیل معلوم فرمائیں۔ میں نے سید عبد الحسین شرف الدین (رح) کا خط پیش کیا جس میں مکمل حالات درج تھے۔ ملاحظہ کے بعد فرمایا بیٹے مصائب تم لوگوں پر پڑے ہیں اگرچہ وہ بہت سخت ہیں مگر محبت اہلبیت علیہم السلام رکھنے والوں پر جو مصائب کے پہاڑ توڑے گئے ہیں ان کے مقابلہ میں تمہاری تکلیفیں بہت کم ہیں۔ آپکے اس فقرہ نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے میں نے تربت حسینیہ (سجدہ گاہ) جیب سے نکالی اور سجدہ شکر کیا کہ میرے مالک محبت آل محمدؐ کی ایسی عظیم المرتبت نعمت سے تو نے میرے جیسے بندہ ناچیز کو نوازا۔ آقائے بروجردی میری اس کیفیت کو بغور ملاحظہ فرماتے

رہے اس کے بعد حلب کے حالات بیان کرتا رہا اور وہ متعجب ہوتے رہے
آخر میں فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو اور آپ کو ائمہ اثنا عشر کی
ولایت کی ہدایت فرمائی۔ پوری ملاقات میں ہر لمحہ میری عزت و توقیر میں
اضافہ فرماتے رہے بعد عشرہ محرم اجازت لیکر زیارت امام ثامن علیہ السلام
کے لئے روانہ ہوا۔ جب طہران پہونچا تو پھر فارسی کی ناواقفیت کی بنا پر
گھبرایا ہوا تھا لیکن موٹر سے اترتے ہی کچھ لوگ ملے جو عربی سے واقف
اور آقائے بروجردی کے حکم کے بنا پر میرے استقبال کے لئے موجود
تھے۔ شیخ محمد تقی جو فلسفی واعظ کے نام سے مشہور ہیں ان کے گھر پر مجھ کو
ٹھہرایا گیا اور خود جناب فلسفی میری ملاقات کو تشریف لائے۔ بعد سلام
اکرام لطیف عربی میں گفتگو رہی میں وطن کو بھولا ہوا طہران میں رہا اور وہاں
سے مشہد مقدس پہونچا آقائے بروجردی نے اپنے وکیل مشہد الحاج
زین الدین یزدی کے نام ایک خط دیا تھا جو میں نے ان کے بیٹے حاجی
رضا کو دیا۔ حاجی رضا نے مجھ سے باتیں کرنا چاہیں مگر زبان کی اجنبیت
میرے ان کے درمیان حائل تھی۔ چنانچہ انھوں نے فوراً ٹیلیفون کر کے
ایک مترجم بلایا جو میری ترجمانی کرتا تھا مجھے اپنے ملازم کے ساتھ روضہ کی
زیارت کے لئے بھیجا اور الحاج زین الدین یزدی کے مکان پر ایک
مخصوص کمرہ قیام کے لئے عنایت ہوا میں خراسان میں انکا مہمان رہا
روزانہ علماء و مجتہدین میری ملاقات کے لئے تشریف لاتے۔ خصوصاً آیۃ
آقائے سید ہادی میلانی بھی تشریف لائے خراسان سے طہران جاتے وقت

علماء تجار اور اعیان شہر کی ایک بڑی تعداد نے ہوائی اڈہ پر رخصت کیا طہران میں جناب فلسفی واعظ کا مہمان ہوا اور وہاں سے قم واپس آ کر آقائے بروجردی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے حکم سے قم کے علماء اور اعیان میری ملاقات کو آتے رہتے تھے اور یہ طرز عمل میرے پہلے قیام میں بھی تھا اور اس بار بھی جاری رہا۔

میں جب پہلی مرتبہ قم آیا تھا تو عشرہ محرم کا زمانہ تھا آقائے بروجردی نے حکم دیا کہ میں روزانہ مجلس پڑھا کروں جس میں خود بنفس نفیس آپ بھی شریک ہوتے تھے اور کثیر مجمع ہوتا تھا ایک مترجم میری تقریر فارسی میں ترجمہ کرتا تھا میں اپنی تقریر میں ان چیزوں کا ذکر کرتا تھا جن کے باعث میں شیعہ ہوا۔

میری تقریروں کا پورے شہر میں چرچا تھا —— خراسان اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت کے بعد شام واپس جانے کی اجازت طلب کی تمام ضروریات سفر دے کر آپ نے مجھے رخصت کیا میں کار سے ایران آیا کاظمین کی زیارت کرکے کربلائے معلیٰ حاضر ہوا۔ جناب سید عباس کاشانی کا مہمان تھا کچھ عرصہ قیام کے بعد وطن واپس ہوا۔

لطیفہ

جب میں قم میں آقائے بروجردی کا مہمان ہوا تو سید رضا صدر برادر

شیخ محمد ابوالفضل میرے مونس و ہمدم تھے دونوں اچھی عربی بولتے تھے کافی دیر تک مجھ سے باتیں کر کے رخصت ہوئے اور طے ہوا کہ گرمی کا وقت ختم ہونے کے بعد شام کو آقائے بروجردی کے ہاں چلیں گے۔ جناب ممدوح نے مجھے طلب کیا تھا۔ ان دونوں حضرات کے جانے کے بعد جب میں سو کر اٹھا تو ہوٹل کے ملازم کو کھانا لانے کے لئے۔ منیجر میری ہر فرمائش کی تعمیل کے لئے منتظر رہتا تھا کیونکہ آقائے بروجردی نے اسے مخصوص ہدایت فرمائی تھی ملازم عربی نہ جانتا تھا اور میں فارسی سے ناواقف تھا۔ اس نے اشارے سے پوچھا "کیا لاؤں" ؟ میں نے مرغ کی یخنی طلب کی مگر وہ نہ سمجھ سکا۔ تو آخر کار میں نے ہاتھوں سے مرغ کی شکل بتائی اور کہا کہ یہ جانور وقت سحر بیدار ہو کر بولتا ہے "قوقو" "قوقوق" تب جا کر وہ سمجھا اور مرغ پلاؤ لایا۔ مگر وہ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا اور میں بھی اس واقعہ کی اتنی شہرت ہوئی کہ آقائے بروجردی کو بھی اطلاع ہو گئی۔ اور فرمائش کر کے مجھ سے واقعہ کی نقل کرائی مسکرا کے فرمایا زبان کی ناواقفیت ایسے ہی گل کھلاتی ہے چنانچہ قیام ایران میں ایسے بہت سے واقعات پیش آئے مگر سب سے زیادہ شہرت اسی واقعہ کی ہوئی چنانچہ محفلوں میں لوگ مجھ سے اس واقعہ کی نقل کی برابر فرمائش کرتے تھے۔

واپسی وطن

حلب واپس ہوا۔ سفر ایران کی یادیں آقائے بروجردیؒ کے عنایات مومنین کا خیر مقدم اور پرجوش استقبال غرضکہ ہر بات دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی وطن میں جس فرض نے میرے قلب و دماغ کی صلاحیتوں کو مضمحل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسے بھی آقائے بروجردیؒ کے عنایات و عطایا نے ادا کر دیا تھا۔ پریشانیاں دور ہو چکی تھیں مخالفین کی لائی بلائیں رد ہو چکی تھیں۔ اب ہم تھے اور دین جعفری پا جانے کی بے پناہ مسرت تھی۔ یقیناً خدا دین اور ناصر دین دونوں کا مددگار رہے صابر کا ساتھی ہے اور حق قلیل ہو کر کثیر باطل پر بھی غالب آجاتا ہے۔

مخالفین کی فتنہ سامانیاں

مناظرہ میں جب مخالفین عاجز آگئے تو تشدد اور مکر و حیلہ کے ذرائع استعمال کرنے لگے مگر ان کو احساس نہ تھا کہ خداوند عالم انا کی فکر میں ہے ــــ انطاکیہ کا رہنے والا ایک شخص شیخ سلیم ترکی صوفی نقشبندی نے میری مخالفت کا بیڑا اٹھایا اس نے صوفیوں اور

خصوصًا نقش بندیوں کو میرے خلاف ابھارا۔ یہ سب کے سب سنگدل اور دجال صفت تھے۔ اذیت پہونچانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر خدا نے ان کو ناکام رکھا۔ آخرکار شیخ سلیم نے میرے خسر کے پاس جاکر دھمکی دی کہ اپنی لڑکی اس رافضی سے چھڑالو ورنہ ہمارے ہاتھوں مصائب اٹھانے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ میرا خسر ڈر گیا۔ اس نے اپنی بیٹی سے آکر کہا میں تم کو رافضی کے ہاتھ سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔ باپ کو بیٹی سے حمایت کی امید ہو گی۔ مگر بیٹی نے سختی سے باپ کی بات ٹھکرادی اور کہا میں ہر قیمت پر ساتھ رہوں گی کوئی طاقت مجھے اب آل محمد علیہم السلام کی محبت ولایت سے نہیں روک سکتی۔ اس کے بعد اس نے اپنے باپ سے کہا مجھے حیرت ہے کہ تم شیعہ ہو چکے ہو مگر پھر بھی اپنے داماد کو رافضی کہہ رہے ہو۔ تب اس نے پورے حالات بیان کئے کہ مجھے گھر سے نکالنے اور مارنے کی دھمکی دی ہے۔ میری بیوی نے اپنے باپ سے کہا اگر یہ لوگ آسمان سے مجھ پر آگ بھی برسائیں تو جل جاؤں مگر اس مذہب سے نہ ہٹوں گی۔

اسی طرح میرے بھائی کی بیوی پر بھی اس کے باپ علی بے کے ذریعہ اثر ڈالنا چاہا مگر وہاں بھی وہی جواب ملا جو میرے یہاں ملا تھا۔ ہر طرح عاجز ہو کر بھی یہ لوگ جھوٹ۔ سچ۔ غلط۔ صحیح ہر اقدام پر

---

۱۵ ابوسفیان کو ام المومنین ام حبیبہ نے ایسا ہی منہ توڑ جواب دیا تھا ۱۲ کرار

تیار رہتے تھے کہ کسی طرح ہم لوگوں کو نقصان پہنچا سکیں۔ چنانچہ والی حلب کو ایک درخواست دی جس پر سب نے دستخط کیے اور مہریں لگائیں تھیں کہ احمد امین انطاکی اور ان کے بھائی شیخ محمد مرعی جو پہلے شافعی تھے اب شیعہ ہو گئے ہیں اور لوگوں کو شیعہ بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں جس کے نتیجہ میں قبائل میں اختلافات اور ہیجان بڑھ رہے ہیں اور نقضِ امن کا خطرہ ہے ان لوگوں کے باعث آج ہر گھر میں باپ بیٹے۔ بھائی بہن۔ شوہر بیوی غرضکہ تمام افراد میں بحث نفرت عداوت کا سلسلہ دراز سے درازتر ہوتا جا رہا ہے۔ لہذا ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا دونوں افراد کی روک تھام اور سزا کی جائے لیکن خدا ہر جگہ ہماری مدد کرتا رہا۔ دشمن ہماری تاک میں تھا اور خدا انکی فکر میں۔ ان لوگوں کا آخری حربہ یہی تھا کہ وہ ہم پر جرم شیعت کے باعث تو کوئی الزام لگانے میں کامیاب نہ تھے۔ لہذا انسانی قوم میں انتشار و اختلاف کا الزام لگا کر حکومت کو ہمارے خلاف متحرک کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر اس میں بھی ناکام رہے۔[1]

نصیحت

جناب شیخ محمد حسین مظفر جو نجف اشرف کے ممتاز علما میں سے

---

[1] مکہ کے بت پرستوں اور ان سنی مسلمانوں کے کردار کو ملا کر دیکھئے کوئی فرق ملتا ہے؟ ۱۲ کرار

ہیں۔ ۱۳۷۰ھ میں شام تشریف لائے۔ جن کو ہم لوگوں کے شیعہ ہونے
کی خبر تھی۔ اتفاقاً ہماری ملاقات "اریحا" میں ہوئی جو ادلب میں
جبل الزاویہ کا ایک شہر ہے۔ ملا بیدی کے گھر میں ہم لوگوں کا قیام تھا
جسر شغور کے گاؤں "زردر" میں کوئی عالم اہلسنت شیعہ ہوا ہے
موصوف کو اس کی اطلاع ملی تھی۔ اور آپ ان سے ملاقات کے خواہاں
تھے۔ یہ عالم اہلسنت میرے دوست جناب شیخ ناجی غفری تھے۔ حالات
نے انکے شیعہ ہونے کی اطلاع پورے شام میں پھیلادی تھی اور ملک کے
ہر حصہ میں یہ خبر عام تھی گرمی کا زمانہ تھا۔ ہم لوگ "اریحا" سے چل کر جسر
شغور پہونچے۔ شیخ ناجی غفری میرے وعدہ کے مطابق منتظر ملاقات
تھے۔ استراحت کے بعد ہم لوگ غفری کے گھر پہونچے۔ ان کا مکان
بستی سے باہر باغات و زراعت کے درمیان تھا۔ شیخ ناجی غفری اور ان
کے تمام اعزا و اقارب نے جناب محمد حسین مظفر کا استقبال کیا اور بے حد
اعزاز و اکرام کیا۔ شیخ غفری کے چچا الحاج باکیر نے آپ کے اعزاز میں
دعوت کی جس میں بستی کے تمام نمایاں افراد موجود تھے۔ جس میں علی بکور نامی
ایک صاحب بھی تھے جو خود اب تک شافعی تھے مگر ان کے تینوں جوان لڑکے
شیخ غفری کی پیروی میں شیعہ ہو چکے تھے وہ بزم میں مجھ سے بہت کبیدہ
بیٹھے تھے۔ کیوں کہ وہ اس سے پہلے اپنی جائیداد اپنے لڑکوں کے نام
رجسٹری کر چکے تھے۔ چنانچہ مجھے دیکھکر میرے بارے میں سخت کلمات
کہنے لگے کہ شیخ احمد نے زمین بھر میں فساد پیدا کردیا ہے۔ میں اسوقت

تک جناب محمد حسین مظفر کے پہلو میں بیٹھا تھا موصوف نے میرے زانوں پر ہاتھ رکھا کہ خاموش رہوں میں خاموش رہا مگر تھوڑی دیر کے بعد یہ خاموشی میرے بس کی نہ رہی۔ میں نے کہا بھائی علی میں نے فساد پیدا کیا یا صورت حال اس کے برعکس ہے۔ حاضرین بزم میں سے ہر شخص اس گفتگو سے مکدر تھا۔ جب ہم لوگ محفل سے باہر آئے تو جناب شیخ محمد حسین مظفر نے فرمایا تمھاری وجہ سے تو اس کے خیال میں اس کا گھر لٹ گیا ہے اور تم سے اس کا ایک فقرہ بھی برداشت نہیں ہوا۔ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو گزرے۔

تائید خدا

ہمارے خلاف ایک درخواست دی گئی خفیہ پولس نے اس کی تحقیق کرنے کے لئے ہم لوگوں کو بلایا۔ تاکہ حالات معلوم کریں۔ مجھ سے نام معلوم کرنے کے بعد کہا کہ تمھارے خلاف جس درخواست کی انکوائری آئی ہے اسکے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں میں نے جواب میں کہا پہلے میری ایک بات کا جواب دیجئے اس کے بعد جس قدر سوالات آپ چاہیں کرسکتے ہیں۔ انھوں نے بخوشی اجازت دی۔ میں نے پوچھا جب آزاد ہیں تو کیا ہم کو حق نہیں ہے جو مذہب پسند کریں اسے اختیار کریں بالفرض اگر ہم شیطان کو بھی اپنا معبود مان لیں تب بھی حکومت ہم سے اس بات

کے خلاف کیا محاسبہ کر سکتی ہے۔ انھوں نے کہا بیشک آپ کو اپنے مذہب کے بارے میں مکمل آزادی ہے۔ اس میں ہم کوئی رکاوٹ یا پابندی عائد نہیں کرتے۔ لیکن آپ کے گھر میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں سے شورش شروع ہوتی ہے اس کے خلاف البتہ ہم کو یہ کہنا ہے کہ یہ سلسلہ بند ہونا چاہیئے۔ میں نے کہا شورش ہم نہیں پیدا کرتے ہیں بلکہ ہمارے خلاف شورش پیدا کیجاتی ہے۔ غرضکہ سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔ آخر میں خفیہ پولس کے ذمہ دار نے کہا میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ شیعہ ہو جاؤں گا حق آپ کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ خدا آپ کا مددگار ہے اور آپ کے مخالف آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کی جھوٹی درخواست دینے کے خلاف مقدمہ قائم کریں۔ تو میں آپ کی ہر ممکن مدد کر سکتا ہوں۔

واقعۂ گذشت

مفتی حلب سے دشمنوں نے شکایت کی کہ میں اور میرے بھائی آپ کے فتویٰ کو طلاق کے بارے میں تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر پے در پے تین بار طلاق دی تو طلاق بائن نہیں ہوتی۔ احمد امین نے تو اس موضوع پر ایک کتاب ہی لکھ ڈالی ہے جس کی وجہ سے ہم لوگوں کے معاملات میں انتشار پھیل رہا ہے غرضکہ مفتی حلب کو اس قدر بھڑکا کہ اس نے خفیہ پولیس

کو تحقیق کے لئے لکھا چنانچہ خفیہ کے تین آدمی میرے پاس آئے ہم لوگ
مکان کے باہری صحن میں بیٹھے چائے قہوہ پینے میں مصروف تھے۔ آنے والوں
نے شہری لباس پہن رکھا تھا تاکہ میں نہ پہچان سکوں اس وقت میرے
پاس چند نوجوان میرے عزیز بیٹھے تھے میرا لڑکا بھی تھا اور فوعہ کے الحاج
احمد رشید اور دوسرے شیعیان فوعہ تھے۔ تینوں نے داخل ہوکر سلام کیا میں
نے ان کو نہیں پہچانا مگر خدا کو بچانا منظور تھا۔ میں گھر میں چائے بنانے کے
لئے کہنے گیا اپنے جوان لڑکے سے کہہ رہا تھا کہ مہمانوں کے لئے چائے لے کر
باہر آئے اس نے کہا بابا آپ کو معلوم ہے کہ یہ تینوں آدمی خفیہ پولس کے ہیں میں
انکو جانتا ہوں لہٰذا ان سے اپنے کو بچائیے گا۔ چاء سے فارغ ہوکر ان
لوگوں نے مودبانہ گفتگو شروع کی۔ مولانا اگر ایک مسئلہ میں ہم لوگوں کی آپ
رہبری فرماتے تو عین نوازش و کرم ہوتا میں اُنکی نیت سے واقف ہو چکا تھا
تین آدمی اس لئے آئے تھے کہ ایک شخص سوال کرے اور دوسرے جواب
کے گواہ بنیں۔ اس طرح رپورٹ تیار ہوکر حکام تک جائے۔ اور میرے خلاف
مقدمہ قائم کیا جائے۔ ان میں سے ایک شخص نے دوسرے کیطرف اشارہ کرتے
ہوئے کہا کہ انھوں نے اپنی بیوی کو پے در پے تین بار طلاق دیدی کمسن بچوں
کا ساتھ ہے۔ بیوی اپنے میکہ چلی گئی۔ علماء سے ہم لوگوں نے مسئلہ پوچھا سب
کہتے ہیں کہ چونکہ یہ تین بار کہہ چکے کہ طلاق دی لہٰذا طلاق بائن ہوگئی۔ اب جب
تک کوئی دوسرا شخص اس سے شادی نہ کرے اور طلاق نہ دے اسوقت تک
ان سے نکاح نہیں ہوسکتا جس کی وجہ سے یہ سخت مشکلات ومصائب میں گرفتار

ہیں۔ لوگوں نے آپکا پتہ دیا ہے کہ آپ اس مسئلہ میں دوسرے سے علماء سے اختلاف رکھتے ہیں۔ لہذا آپ کی خدمت میں ہم لوگ حاضر ہوئے ہیں کاش ان کی مشکلیں آپ کے ذریعہ حل ہو جائیں۔ میں صورتِ حال سے واقف تھا لیکن قبل اسکے کہ میں جواب میں کچھ کہوں جناب الحاج احمد رشید القوعی نے کہا بیشک طلاق بائن نہیں واقعہ ہوئی۔ تین مرتبہ کہنے سے تین طلاقیں نہیں ہو جاتی ہیں لہذا تمھاری بیوی اب بھی تمھاری بیوی ہو سکتی ہے۔ میں نے برا منھ بنا کر رشید صاحب سے کہا آپ سے سوال نہیں ہے۔ پھر آپ کیوں جواب دے رہے ہیں آپ مفتی بھی نہیں ہیں کہ فتوی دیں۔ رشید صاحب صورت حال سے بے خبر تھے انھوں نے اصرار شروع کیا قرآن مجید منگائیے میں مسئلہ دکھا دوں اور سورۂ طلاق سے طلاق والی آیت پڑھنا بھی شروع کر دی میں ان کو صورتِ حال سے باخبر نہیں کر سکتا تھا مجبوراً بناوٹی غصہ سے میں چیخا آپ خاموش ہو جائیں۔ رشید صاحب کو میرے طرز عمل پر حیرت تو ہوئی مگر خاموش ہو گئے۔ میں نے جواب دیا کہ مجھے حنفی شافعی، مالکی حنبلی جعفری سب فقہوں کا علم ہے اور مسئلہ کو ہر فقہ کے مطابق بتا سکتا ہوں مگر میرا جواب آپ کے لئے عملاً مفید نہ ہوگا کیونکہ حکومت نے ایک مفتی مقرر کیا ہے جو آپ کو عثمانیہ دارالافتاء میں ملیں گے آپ ان سے مسئلہ پوچھیں جو ان کا جواب ہوگا اسی کا نفاذ ہوگا۔ اس کے بعد انھوں نے مختلف سوالات کئے مگر میں نے کسی مسئلہ کا جواب نہیں دیا اور یہی عذر کرتا رہا۔ آخر میں انھوں نے الحاج رشید اور دیگر حاضرین سے کہا واقعی یہ اچھے عالم ہیں اپنے منصب سے بڑھ کر فتوی دینے میں دخل نہیں دیتے۔ ان کے جوابات لاجواب تھے اور-

اٹھ کر چلے گئے۔ خدا نے ان کے شر اور دھوکے سے بچایا ـــــ میرے گھر سے قریب ہی میرے بھائی کا گھر تھا۔ خیال ہوا کہیں یہ لوگ ان کو دھوکہ دینے نہ جائیں چنانچہ میں نے فوراً اپنے لڑکے اور ا۔ کو بھیجا کہ جا کر اطلاع دیدیں مگر یہ لوگ وہاں نہیں گئے۔ بلکہ اپنی ناکامیابی پر ہاتھ ملتے اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے۔

حادثہ

۱۳۷۴؁ھ میں میری بیوی نے دمشق جا کر جناب زینب کی زیارت کرنے کا شوق ظاہر کیا۔ ہم لوگ بس اڈہ پر آئے اور بیوی کی خواہش کے مطابق معرۃ النعمان کے لئے روانہ ہوئے جو حلب اور حماۃ کے درمیان ایک شہر تھا رات بھر وہاں رہکر صبح کا مہ سے حماۃ کے لئے روانہ ہوئے۔ حماۃ کے گاؤں ابھی شروع ہوئے تھے۔ اچانک میری موٹر رک گئی کیونکہ سڑک پر پولیس چوکی تھی۔ جنھوں نے لکڑی سے اشارہ کرکے ہماری گاڑی روکی تھی۔ پولیس ہم کو چوکی کے اندر لے گئی ٹیکسی کی تلاشی ہوئی کہ میرے ساتھ تمباکو ہے۔ میرے انکار کے باوجود میرا سامان کھولا گیا۔ تمباکو تو نہ ملی لیکن میں نے طلاق پر جو رسالہ لکھا تھا جس کا نام "رفع الشقاق" فی احکام الطلاق تھا اسکے ساٹھ نسخے ساتھ تھے۔ پولیس اسٹیشن کے انچارج نے کہا میں آپ کو روکنے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ کوتوال کا حکم ہے کہ میں آپ کو حماۃ پہونچادوں۔ میں نے کہا میں تیار ہوں۔ دن گرم تھا لہذا دن بھر ہم لوگ پولیس چوکی میں رہے۔ میں نے بیوی سے کہا تم حلب واپس چلی جاؤ مگر انھوں نے ساتھ رہنے پر اصرار کیا کہ معلوم نہیں تم پر کیا گذرے ایسی حالت

ہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ انچارج نے ہر ممکن سلوک کیا۔ شام کو ہم لوگ حماۃ سے موٹر سے آئے۔ کوتوال کے سامنے پیشی ہوئی۔ جس نے مجھے پہچانا اور اس سلوک پر جو میرے ساتھ ہوا تھا متاثر تھا میرے ساتھ جو سپاہی تھا اس سے کہا کہ انکو پولس اسٹیشن واپس لے جاؤ۔ قائد کے سامنے پیش ہونا ہے۔ میرا رسالہ بھی اس نے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔ کہ کیا یہی شریعت ہے۔ کیا یہی علم ہے۔ افسوس لاحول ولا قوۃ الا باللہ اسی کتاب پر الزامات ہیں جبکہ اس میں تحقیق ہے نہ کہ خطا اور جرم۔ غرضکہ ہم لوگ معرۃ النعمان واپس ہوئے۔ مغرب کے وقت پہونچے تھے۔ قائد کا سامنا دروازہ ہی پر ہوا جیسے میرے انتظار میں کھڑا تھا۔ دیکھتے ہی کہا بسم اللہ۔ حوالات میں داخل ہو جایئے میں نے کہا ایسا ممکن نہیں ہے اس نے کہا میرے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے یہی حکم ہے اگر تعمیل نہ کروں تو مجھ سے جواب طلب ہوگا کیا آپ میری جگہ ہوتے تو یہی نہ کرتے جو میں کر رہا ہوں۔ بڑی بحث ومباحثہ کے بعد آخر میں اس نے کہا اگر آپ ضمانت دیدیں تو میں چھوڑ سکتا ہوں ....

.... میں نے کہا اب تم نے ایک قابل عمل بات کہی ہے جو میرے لئے بہت آسان ہے اس نے کہا یہاں کون تمھاری ضمانت کرسکتا ہے میں نے شہر کی نامور شخصیت طالب بیگ عراکی اور ان کے چچا کا نام لیا۔ اس نے بڑی حیرت سے کہا واللہ تم طالب بیگ کا نام لیتے ہو وہ تم کو کیا جانیں جو تمھاری ضمانت کریں گے

خیر دیکھتا ہوں اس نے حوالات کے انچارج ابو عبدہ کو آواز دی۔ ان کو لے جاؤ اور تصدیق کرو کہ کتنی بڑی شخصیت کے مالک ہیں حوالات سے طالب بیگ کا محل قریب ہی تھا طالب بیگ اپنے باغ میں اعزا اور شرفائے شہر و ارباب حکومت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ قہوہ اور سگار کا دور چل رہا تھا۔ طالب بیگ کی جیسے ہی مجھ پر نظر پڑی۔ ایک دم صدر مجلس میں کھڑے ہو گئے ان کو دیکھ کر بزم کا ہر شخص کھڑا ہو گیا۔ طالب نے بڑھ کر میرا استقبال کیا۔ برابر خوش آمدید کے الفاظ ان کی زبان پر جاری تھے۔ میرے ساتھ میں پولس کا آدمی دیکھ کر کہا تم ان بزرگ عالم کے ساتھ کیوں نظر آ رہے ہو۔ خدا کی قسم تم لوگوں میں نہ آدمیت ہے نہ انصاف۔ تم تہذیب کیا جانو۔ اس سپاہی کا برا حال تھا۔ اس نے گڑگڑا کر کہا حضور میری خطا کیا ہے۔ مجھے تو افسر نے بھیجا تھا کہ معلوم کروں۔ آپ ان کی ضمانت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ طالب بیگ نے مجمع کی طرف رخ کر کے کہا خدا کی شان۔ پھر مجمع سے پوچھا تم میں کون جناب شیخ احمد انطا کی ضمانت پر تیار ہے۔ بہت سی آوازیں آئیں کہ مال درکنار ہم جان نثار کرنے پر تیار ہیں۔ طالب بیگ نے سپاہی سے کہا۔ اچھا تم جاؤ پی لو میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں دس ہزار کی ضمانت کرتا ہوں مگر افسوس تم اور جناب شیخ احمد سے ضمانت طلب کرو۔ پھر اپنے کارندے طاہر کو آواز دی۔ ذرا چک بک لانا۔ میرے ساتھ آنے والے سپاہی کی حالت غیر تھی۔ وہ بھوچکا اور مبہوت تھا۔ موقع پا کر اس نے سرگوشی

کے طور پر مجھ سے کہا تم نے تو میرے باپ کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا طالب بیگ نے ضمانت نامہ دے کر کہا جا کر اپنے افسر کو دے دو اور مجھ سے کہا اطمینان رکھیں آپ خدا کی حفاظت میں ہیں۔ — اس واقعہ کا سبب معرۃ النعمان کے مفتی صاحب تھے اپنی جہالت وحماقت کے باعث مجھ سے مناظرہ میں ناکام ہو کر مقدمہ دائر کر چکے تھے جس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی کیونکہ حاکم نے ان کی درخواست کو لائق توجہ بھی نہ سمجھا تھا۔ اب ان چھچھوری حرکتوں پر اتر آئے تھے — میں نے کانسٹبل کے جانے کے بعد طالب بیگ سے کہا آپ نے دس ہزار کی ضمانت کی ہے اور میں ایران جا رہا ہوں۔ تب کیا ہو گا۔ طالب بیگ نے سر ہلا کر کہا۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں آپ خوف زدہ نہ ہوں۔ خدا آپ کے ساتھ ہے۔ اس واقعہ کے ایسے بے شمار اور واقعات ومصائب وصدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ ہم نے باطل سے رخ موڑ لیا تھا[1] اور اب حق کے سامنے تھے جو ہمارا سینہ سپر ہے۔

---

[1] سنیت علامہ احمد امین الطا کی ساتھ ویسے ہی پیش آئی جیسے مکہ کے بت پرست ابو جندل، بلال وعمار یاسر وغیرہ کے ساتھ پیش آئے تھے۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو ۱۲ کرا

اہم واقعہ

طالب بیگ عراقی نے جب معرۃ النعمان میں کھل کر شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد ایک بار میں ان سے ملنے گیا۔ جب سب لوگ چلے گئے صرف میں احمد خرابطلی رہ گئے۔ تو طالب بیگ نے پوچھا کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی آنکھ سے خدا کو دیکھا تھا؟ میں نے کہا یہ روایت غلط ہے طالب نے کہا تم اس کو غلط ثابت کر سکوگے میں نے کہا یقیناً۔ طالب نے کہا میرے چچا میرے یہاں قاضی رہتے ہیں۔ میں تمھاری موجودگی میں ان سے اس روایت کے بارے میں سوال کرونگا اگر انھوں نے اس کو صحیح کہا تو تم کو ان کے سامنے غلط ثابت کرنا ہوگا۔ میں نے کہا ثابت تو کر دوں گا لیکن پھر ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ طالب برہم ہو گئے کہنے لگے اگر تم نے حق کو مانا ہے تو اس کے پیش کرنے میں خوف نہ کرو۔ اور اگر خوف زدہ ہو تو اپنے کو عالم نہ کہو عمامہ و جبہ اتار کر عوام اور جہال میں شامل ہو جاؤ۔ میں خدا کے بھروسہ روانہ ہوا۔

سلہ خدا کرے حق بات کے اظہار و اعلان میں ہمارے تمام عالموں کا یہی کردار ہو کہ وہ لومۃ لائمہ کا کبھی خوف نہ کریں۔ ۱۲ کرار

منیر منزل میں قاضی صاحب تخت پر مسند سے ٹکے بیٹھے تھے بجیال خود عالم جلیل بھی تھے - ادلب کے رہنے والے - شیخ طاہر کے بیٹے تھے شیخ سامی الکیال آپ کا نام تھا - چند نمایاں افرادان کے گرد بیٹھے ہوئے پائے گئے میں بھی سلام کرکے مودبانہ بیٹھ گیا - قاضی صاحب نے سلام کا جواب دیا - تھوڑی دیر کے بعد طالب بیگ مع حماۃ کے چند ممتاز افراد کے داخل ہوئے بیٹھنے کے تھوڑی دیر کے بعد طالب بیگ نے پوچھا جناب قاضی صاحب کیا یہ صحیح ہے کہ معراج کی رات آنحضرتؐ نے خدا کو دیکھا تھا - قاضی نے کہا بیشک دیکھا اور آنکھ سے دیکھا - طالب نے میری طرف اشارہ کرکے کہا مگر یہ اس کے مخالف ہیں - قاضی نے مجھے حیرت سے دیکھ کر کہا کیا واقعاً تم اس حدیث کے مخالف ہو - میں نے کہا میں ہر اس چیز کا مخالف ہوں جو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے - نقل کے خلاف اس لئے ہے کہ سورہ انعام میں اللہ نے اپنی صفت بیان کی ہے - لا تدرکہ الابصار الخ اسے آنکھیں نہیں پا سکتی ہیں - اور خلاف عقل اس لئے ہے کہ آنکھ صرف جسم کو دیکھ سکتی ہے اور خدا جسم نہیں رکھتا - دوسرے آنکھ اور دیکھنے والی چیز کے درمیان فاصلہ محدود ہوتا - کسی سمت کا معین ہونا وغیرہ بھی ضروری ہے جو حادث کے اوصاف ہیں اور خدا نہ حادث محل ہو سکتا ہے - لہذا یہ روایت قطعاً غلط ہے قاضی میری گفتگو سے عاجز تھا - جواب ممکن نہ تھا بحث سے نجات پانے کی کوئی راہ نہ تھی غصہ سے آگ بگولہ تھا - آخر اس نے پرغضب گفتگو

شروع کی اور کہا شیخ احمد طالب ۔ موئی توفیق سب کے سب گمراہ ہو گئے ہیں ۔ یہ سن کر طالب بیگ غصہ میں بھرے ہوئے اٹھے اور قاضی کے سامنے جاکر کھڑے ہو گئے ۔ طمانچہ مارنے کے لئے انکا ہاتھ قاضی کی طرف پھیلا تھا ۔ ہر بار یہی خیال ہوتا تھا کہ طالب بیگ گھونسہ لات شروع کرنے والے ہیں ۔ اسی ارادے سے طالب آگے بڑھتے تھے اور بار بار کہتے تھے میں گمراہ ہو گیا ہوں گمراہ ہو گیا ہوں ۔ قاضی مبہوت اور حیران تھا پیچھے دیوار آگے طالب بیگ لوگوں کی نظروں میں اپنی یہ حالت دیکھ کر قاضی ادھر مرے ہوئے جا رہے تھے ان کی آرزو تھی کہ زمین پھٹ جاتی اور وہ اس میں سما جاتے ۔ مگر زمین سخت تھی اور آسمان دور ، قاضی نے گھبرا کر طالب کے چچا عبد الرحمان کو پکارنا شروع کیا ۔ عبد الرحمن پہلے ہی کھسک چکے تھے ۔ وہ گھبرائے ہوئے زینہ سے اتر رہے تھے کہ کدھر جائیں ۔ طالب بیگ جب کسی کی مرمت کے لئے تیار ہو جاتے تھے تو حاضرین میں سے کوئی اسے چھڑانے کی ہمت نہیں کرتا تھا ۔ قاضی پکارے جا رہے تھے ، عبد الرحمن ۔ عبد الرحمن کسی کو میرے گھر بھیج کر انوار محمد کتاب منگا لو ۔ انوار محمد یہ یوسف نبہشتی کی تالیف تھی ۔ جو بیروت میں جزائر کے حاکم تھے اور اپنے عقائد و تالیفات میں خدا کی باتیں ماننے کے عادی نہ تھے بلکہ اپنی رائے سے فیصلہ دیتے تھے ۔

قاضی ان کی کتاب میں یہ روایت دیکھ چکے تھے ۔ طالب کو دیکھا کر مطمئن کرنا چاہتے تھے ۔ جبکہ اس کتاب میں خدا اور رسولؐ پر بہت سے

بہتان تھے۔ طالب نے کہا جب شیخ احمد نے عقلاً و نقلاً اس روایت کو غلط ثابت کر دیا ہے تو ہم کسی مہمل کتاب کے حوالے کو نہیں مان سکتے بلکہ ایسی کتاب کو دیوار پر پٹک دیں گے۔ طالب بار بار قاضی صاحب کی لات اور گھونسہ سے تواضع کرنے کیلئے آگے بڑھتے تھے۔ پھر پیچھے ہٹ آتے تھے۔ قاضی صدا دے رہے تھے۔ کتاب طالب نے کہا آپ ایسے لوگ قاضی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا کہنا۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔ کہ قاضی کا لڑکا کتاب لے کر آ گیا۔ وہ بھی احمق معلوم ہوتا تھا۔ قاضی اب بھی بغیر شرمندگی اپنی حماقت میں ڈوبے اس کتاب کے حوالے سے طالب کو مطمئن کرنے کے لئے کتاب کھول کر عبارت پڑھنے لگے۔ طالب نے کتاب لے لی۔ روشنی میں لا کر دیکھا۔ ابو ہریرہ کی روایت تھی کہ شب معراج حضور نے خدا کو آنکھوں سے دیکھا اور لوح محفوظ پر قلم چلنے کی آواز بھی آپ کے کان میں آ رہی تھی۔ طالب نے کتاب واپس کر دی اور کہا یہ کتاب نہیں ہے جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس میں یہودیوں کی باتیں ہیں یہ روایت میں کتب یہود میں دیکھ چکا ہوں[۵]۔ طالب اٹھے ساتھیوں سے چلنے کے لئے کہا مجھ سے کہا آپ بھی میرے ساتھ چلیں ورنہ تھوڑی دیر میں سیر چچا آ جائیں گے اور آپ کو نہ جانے دیں گے۔ میں بھی چلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ سیر بیگ داخل ہوئے۔ مجھے مہمان خیال کر کے بیٹھنے پر مجبور کیا۔

۵؎ یعنی سنیت اور یہودیت میں کوئی فرق نہیں رہا۔ ۱۲ کرامت

تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے شیخ جب کبھی یہاں آتے ہیں۔ کوئی ایسا کام ضرور کرتے ہیں جس سے محفل برہم ہو جائے میں نے کہا سبحان اللہ مجھ پر کیوں الزام لگاتے ہیں تمھارے بھتیجے طالب بیگ ہی نے قاضی صاحب سے سوال کیا کہ شب معراج خدا کو کیا حضور نے آنکھ سے دیکھا تھا؟ قاضی نے کہا ہاں۔ طالب نے بتلایا کہ شیخ احمد اس کے قائل نہیں ہیں۔ اگر میں خلاف عقل و نقل بات کا قائل نہیں ہوتا تو کیا مجرم ہوں؟

خدا کی مدد سے میں نے مختصر طور پر اپنے تشیع کی تاریخ اور اس کے اسباب کا تذکرہ اور بعض مکردہ واقعات جو شیعہ ہونے کے باعث سامنے آئے۔ ان کو ناظرین کے لئے اس کتاب میں جمع کر دیا ــــ اول و آخر بہر حال لائق حمد و ثنا صرف خدا کی ذات ہے۔

احمد امین الانطاکی

حلب (شام)

تمام شد

مولانا مرحوم الحاج السید غلام عسکری کی نایاب کتابیں

۱۔ دس مجلسیں

۲۔ مجالس مہدی

۳۔ میں کیوں شیعہ ہوا۔

۴۔ پیاس

ہم سے طلب کریں

احباب پبلشرس گولہ گنج لکھنؤ ۱۸

Price Rs. 5-00

Victoria Printers, Victoria Street, Lucknow